إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

۲

دوسرے امام

یعنی

امام حسن علیہ السلام

کی

مختصر سوانح عمری

شیعہ لڑکوں اور لڑکیوں کیلئے

فاضل محقق عالم مدقق شمس الواعظین جناب [illegible] مولوی

سید ظفر حسن صاحب امروہوی مدظلہ

باہتمام محمد جواد [illegible] پریس [illegible] چھپی

فہرست مضامین

دیباچہ

ہماری یہ کتاب چہاردہ معصومین علیہم السّلام کے سلسلۂ حالات کی چوتھی کڑی ہے جو خصوصیت کے ساتھ شیعہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں اس کا پورا لحاظ ہے کہ عملی زندگی کے نمایاں پہلوؤں پر روشنی پڑے۔ تاکہ ہماری نئی پوَد میں عملی جوش پیدا ہو۔ اور وہ جان لیں کہ ان کے مذہبی پیشوا اور دینی رہنما روحانی کمالات کے کن مراتب پر فائز تھے۔

اس زمانہ میں جبکہ انگریزی تعلیم اور مغربی تہذیب کی اندھی تقلید نے ہمارے نوجوانوں کو مذہب سے قطعاً بے خبر کر دیا ہے۔ اس کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ کہ حضرات چہاردہ معصوم علیہم السّلام کے حالات زندگی مختصر رسالوں کی صورت میں ترتیب دیئے جائیں۔ تاکہ لڑکے اور لڑکیاں اور کم استعداد کے لوگ ان کو پڑھ کر مذہبی معلومات حاصل کر سکیں۔ ہم نے اس رسالہ میں معتبر اور موثق روایات کو درج کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے اور محض تاریخی واقعات کے بیان پر اکتفا کی ہے زبان کو حتی المقدور آسان اور زمانہ حال کے موافق بنایا ہے۔ اُمید ہے کہ یہ ناچیز خدمت مقبول خاص و عام ہوگی۔

ناچیز مؤلف
سیّد ظفر حسن
امروہوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

حالاتُ واقعات

ا۔ حضرت امام حسنؑ کی ولادت

ہمارے دوسرے امام حضرت امام حسن علیہ السلام ہمارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے نواسے تھے۔ آپ کے پدر بزرگوار کا نام حضرت علی علیہ السلام اور آپ کی والدۂ ماجدہ کا اسم گرامی فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا تھا۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت ۱۵ ماہ رمضان سنہ ۳ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ ام الفضل کہتی ہیں کہ حضرت امام حسنؑ کی ولادت سے چند روز قبل میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ حضرت رسول خدا کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا میرے گھر میں ہے۔ جب میں نے حضور سے یہ خواب بیان کیا تو فرمایا بہت ہی اچھا خواب ہے۔ فاطمہ کے یہاں عنقریب ایک بیٹا پیدا ہوگا تم اس کو اپنے فرزند قشم بن عباس کا دودھ پلاؤ گی۔ چنانچہ جب حسنؑ پیدا ہوئے تو ان کو دودھ پلانے کے لیے میرے سپرد کیا گیا۔ (ارجح المطالب)

جب حضرت رسولخدا کو اس ولادت کی خبر ملی تو آپ جناب سیدہ کے یہاں

تشریف لائے اور اسماء بنت عمیس سے فرمایا۔ میرے فرزند کو میرے پاس لاؤ میں اُس کے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کروں اسماء کہتی ہیں۔ میں فوراً بچہ کو ایک زرد کپڑے میں لپیٹے ہوئے حضرت کے پاس لے گئی۔ آپ نے وہ کپڑا فوراً اُتار کر پھینک دیا اور فرمانے لگے۔ کیا میں نے تم کو یہ ہدایت نہیں کی کہ کسی بچہ کو زرد کپڑے میں نہ لپیٹا کرو۔ میں شرمندہ ہوئی اور جلدی سے ایک سفید کپڑا لا کر اس میں لپیٹ دیا۔ حضرت نے اُن کے داہنے کان میں اذان کہی اور بائیں میں اقامت۔

پھر آپ نے جناب امیر علیہ السّلام سے پوچھا۔ تم نے اس بچہ کا کیا نام رکھا عرض کی میں اس معاملہ میں حضور پر سبقت نہیں کر سکتا تھا۔ فرمایا میں خدا پر سبقت کرنا نہیں چاہتا یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرت جبریل امینؑ نازل ہوئے اور کہا خداوند عالم بعد تحفۂ درود و سلام ارشاد فرماتا ہے کہ علیؑ کا مرتبہ آپ کے نزدیک وہی ہے جو ہارونؑ کا مرتبہ موسیٰؑ کے نزدیک تھا۔ فرق یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ پس آپ اس بچہ کا نام ہارونؑ کے نام پر رکھیں۔

اٌن حضرت نے پوچھا۔ ان کے بیٹے کا کیا نام تھا۔ کہا شبّر، حضرت نے فرمایا میری زبان تو عربی ہے دوسری زبان کا نام کیونکر رکھوں؟ کہا۔ آپ اس کا ہم معنی نام عربی زبان میں حسنؑ رکھیں۔ چنانچہ یہی نام رکھا گیا۔

حضرت رسول خدا فرمایا کرتے تھے حسنؑ و حسینؑ دونوں اہل جنت کے ناموں میں سے ہیں۔ عرب نے زمانۂ جاہلیت (کفر کا زمانہ) میں یہ نام کبھی نہیں رکھے

امام حسنؑ عسکری علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ حضرت رسُول خدا نے ہی حضرت امام حسنؑ علیہ السّلام کی کنیت ابو محمد رکھی تھی۔ اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ زمانۂ جاہلیت میں یہ کنیت بھی کبھی کسی کی نہیں ہوئی۔

حضرت امام حسنؑ علیہ السّلام کے مشہور القاب یہ ہیں۔

(۱) مجتبیٰ (۲) سید (۳) نقی (۴) طیب (۵) زکی (۶) امام مسموم۔

۲۔ امام حسنؑ کا عقیقہ اور ختنہ

ابن عباس کہتے ہیں کہ امام حسن علیہ السّلام کی ولادت کو چھ دن گزر گئے تو ساتویں روز حضرت رسولخدا نے حضرت علی سے کہا۔ کہ آج میرے فرزند کا عقیقہ اور ختنہ کراؤ۔ چنانچہ ایک بینڈھا منگا کر ذبح کیا گیا۔ اور امام حسنؑ کا سر مُنڈوا کر بالوں کے برابر چاندی تصدق کی گئی۔ بینڈھے کے پائے دائی کو دیے گئے پھر اُسی دن ختنہ کرا دیا گیا۔ (ارجح المطالب)

۳۔ امام حسنؑ کی حضرت رسُول خدا سے مشابہت

حضرت امام حسن علیہ السّلام سینہ سے لے کر سر تک جناب رسُول خدا سے بہت ہی زیادہ مشابہ تھے۔ اور حضرت امام حسین علیہ السّلام سینہ سے پاؤں تک آں حضرتؐ سے اکمل مشابہت رکھتے تھے۔ (اسد الغابہ)

ایک روز حضرت ابوبکر عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلے۔ جناب امیرؑ ان کے ساتھ تھے۔ امام حسنؑ راستہ میں مل گئے۔ ابوبکر نے اُن کو اٹھا کر اپنے کندھوں پر سوار کرلیا اور کہا۔ اپنے باپ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حسنؑ آنحضرت سے زیادہ مشابہ ہیں۔ علی کے ساتھ اکمل نہیں (روضۃ الصفا۔ ارجح المطالب)

۴۔ امام حسنؑ سے رسول خدا کی محبت

حضرت رسولخدا اپنے دونوں نواسوں حسنؑ و حسینؑ کو بے حد چاہتے تھے۔ کبھی گود میں بٹھا کر ان کا منہ چومتے تھے، کبھی ان کے گیسوؤں کی بُو سونگھتے تھے کبھی کبھی ان کو اپنی پشت پر اور کبھی اپنے شانوں پر سوار کرتے تھے۔ کبھی اپنی زبان ان کے منہ میں دے کر چساتے تھے۔ ہم ذیل میں چند واقعات امام حسنؑ

کے متعلق کتاب ارجح المطالب اور مناقب ابن شہر آشوب سے نقل کرتے ہیں۔
عبد اللہ بن زبیر کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ جب حضرت رسول خدا رکوع میں تھے۔ امام حسنؑ مسجد میں آگئے اور نانا، نانا کہتے حضرت کی طرف دوڑے آپ نے اپنی دونوں ٹانگوں کو ذرا سا کشادہ کر دیا۔ حسنؑ دونوں ٹانگوں کے بیچ سے نکل آپ کے سامنے آگئے۔

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن دیکھا کہ امام حسنؑ حضرت رسولؐ خدا کی آغوش میں بیٹھے ہیں اور حضرت کی ریش مبارک میں اپنی انگلیاں ڈال رہے ہیں حضور اپنی زبان مبارک کو بار بار ان کے منہ میں داخل کر دیتے اور فرماتے ہیں "خداوندا میں اسے دوست رکھتا ہوں تو بھی دوست رکھ۔" اس دن سے حسنؑ کی وقعت میری نظر میں بہت زیادہ بڑھ گئی۔

براء ابن عازب کہتے ہیں۔ میں نے ایک روز دیکھا کہ حضرت رسولخدا اپنے شانوں پر امام حسنؑ کو بٹھائے ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں۔
"پروردگارا میں اسے دوست رکھتا ہوں تو بھی دوست رکھ۔"

ابو سلمہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسولخدا کو دیکھا کہ اپنی زبان دہن مبارک سے نکال کر امام حسن کے منہ میں داخل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ ہنس کر کبھی اپنا منہ بڑھاتے ہیں کبھی ہٹا لیتے ہیں

ابو ہریرہ کہتے ہیں۔ ایک دن میں نے امام حسنؑ کو مدینے کے باہر دیکھا دوڑ کر گود میں اٹھا لیا اور کہا۔ فرزند رسول ذرا اپنے شکم مبارک سے کپڑا اٹھا دیجئے۔ تا کہ میں بھی وہاں بوسہ دوں جہاں حضرت رسول خدا کو بوسہ دیتے دیکھا ہے۔ جب انھوں نے کپڑا اٹھایا تو میں نے ناف پر بوسہ دیا۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضرت رسول خدا کے ساتھ بازار سے آرہا تھا۔ آپ جناب فاطمہ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا۔ میرا فرزند کہاں ہے؟

ذرا دیر نہ گزری تھی کہ حسنؑ دوڑتے ہوئے آئے اور حضرت کے سینۂ مبارک سے چمٹ گئے۔ آپ دیر تک سینہ سے لپٹائے پیار کرتے رہے۔ فرماتے جاتے تھے۔ "خداوندا! میں اس فرزند کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ۔"

ایک روز ابو ہریرہ نے امام حسنؑ کو "یا سیدی" کہہ کر سلام کیا کسی نے کہا یہ تو ابھی بچے ہیں ان کو اس طرح کیوں سلام کرتے ہو؟" انھوں نے کہا "خدا گواہ ہے۔ میں نے حضرت رسول خدا کو یہ کہتے سنا ہے "اے سید" اور یہ بھی سنا ہے کہ حسنؑ و حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں۔" (ارجح المطالب)

انس بن مالک کہتے ہیں۔ ایک روز حضرت رسول خدا سو رہے تھے کہ حسن بن علی داخل ہوئے اور حضرت کے سینہ پر بیٹھ گئے۔ میں نے ہٹانا چاہا فرمایا اے انس! میرے فرزند اور میرے دل کے چین کو دق نہ کرو۔ بیٹھا رہنے دو جس نے اسے ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی حسنؑ سینۂ رسول پر بیٹھے کھیل رہے تھے کہ وہیں انھوں نے پیشاب کر دیا مجھے یہ گراں گزرا حضرت میری اس گرانی سے دل گرفتہ ہوئے اور فرمایا۔ اے انس! جس بات سے مجھے رنج نہ ہو تم رنج کرنے والے کون؟ پھر آپ نے پانی منگا کر پیشاب کو دھو ڈالا۔

ایک دن حضرت رسول خدا منبر پر بیٹھے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ امام حسنؑ مسجد میں تشریف لے آئے۔ دامن میں آپ کا پیر جو الجھا تو گر پڑے۔ حضرت منبر سے اترے اور ان کو گود میں لے کر پھر منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا۔ جو کوئی مجھ کو دوست رکھتا ہے اُس کو چاہئے کہ اسے بھی دوست رکھے۔ تم سب حاضرین پر لازم ہے کہ میرا یہ قول اُن لوگوں تک پہونچا دو جو اس وقت موجود نہیں۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت رسولخدا حضرت امام حسنؑ کو اپنے کاندھے پر بٹھائے ہوئے تھے کسی نے کہا۔ صاجزادے کیا اچھی سواری ہے جس پر تم سوار ہو۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ یہ نہیں کہتے کہ سوار کیسا اچھا ہے

یہ واقعہ بعض کتابوں میں حضرت امام حسین علیہ السّلام کے متعلق بھی ہے
چونکہ دونوں نواسوں پر حضرت کی یکساں شفقت تھی اور دونوں ساتھ ہی ساتھ
رہتے تھے اس وجہ سے اکثر واقعات مشترک ہیں۔

ایک روز حضرت رسول خداؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ امام حسنؑ سجدے کی حالت
میں پشت پر سوار ہو گئے۔ راوی کہتا ہے کہ آپ نے سجدہ کو اس قدر طول دیا
کہ ہم سمجھے کوئی خاص امر حادث ہو گیا یا وحی نازل ہونے لگی۔ بعد ختم نماز حضرت
نے فرمایا کہ کوئی خاص بات نہ تھی بلکہ میرا فرزند حسن پشت پر سوار ہو گیا تھا
مجھے بُرا معلوم ہوا کہ اسے جلدی سے اتار دوں اور وہ رنجیدہ ہو جائے۔

جابر ابن عبداللہ انصاری سے منقول ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا۔
جو شخص جوانانِ جنت کے سردار کو دیکھنا چاہے وہ حسن کو دیکھ لے۔"

۵۔ امام حسنؑ کا بچپن

حضرت امام حسن علیہ السّلام کا بچپن عام بچوں کی طرح کھیل کود میں نہیں
گزرا۔ بلکہ یا تو آپ صحبتِ رسولؐ میں اپنا وقت گزارتے تھے یا اپنے والدین کی
خدمت میں رہ کر یہی دو مدرسے تھے۔ جہاں امام حسن علیہ السّلام نے اخلاقی
اور روحانی تعلیم حاصل کی۔ امام حسین علیہ السّلام چند ماہ آپ سے چھوٹے تھے
دونوں بھائی ہمیشہ ساتھ رہتے اور ایک دوسرے سے اتنی محبت رکھتا
کہ دنیا کے بھائیوں میں اتنی محبت کم ہوتی ہے۔

حضرت علیؑ بچپن ہی سے اپنے بیٹوں کو ورزش کی تعلیم دیتے تھے۔
سپاہ گری کے طریقے بتاتے تھے، تیر اندازی اور نیزہ بازی سکھاتے تھے۔
اکھاڑے میں کشتی لڑواتے تھے۔ جب حضرت رسول خدا کی خدمت میں حسنین علیہما السّلام
پہونچ جاتے تو آپ ایک کو ایک زانو پر بٹھا لیتے اور دوسرے کو دوسرے پر کبھی پیار سے

اُن کا منھ چومتے اور کبھی اُن کے گیسوؤں کی خوشبو سونگھتے۔

بچپن ہی سے امام حسن علیہ السّلام فقہ کے تمام مسائل سے واقف تھے بلکہ یہ کہنا چاہئیے کہ بچپن ہی میں لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اولادِ رسُولؐ کی علمی اور اخلاقی حالت کا قیاس عام لوگوں کی اولاد پر نہیں کیا جا سکتا۔ ؂

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت رسُولِ خدا پر وحی نازل ہوتی تھی۔ آپ اس کو حضرت امام حسن علیہ السّلام سے جبکہ ان کا سن چھ سات برس کا تھا بیان فرمایا کرتے تھے وہ اُس کو یاد کر لیتے تھے۔ اور واپسی کے بعد گھر میں آ کر حرف بحرف اپنی والدۂ ماجدہ سے بیان کر دیا کرتے تھے۔

جناب امیر علیہ السّلام جب گھر میں آتے تو حضرت سیدہ سے نئی نئی آیات قرآنی سنتے۔ تعجب سے دریافت فرماتے "یہ آیات قرآنی تمہیں کہاں سے معلوم ہوئیں"؟ وہ فرماتیں کہ تمہارے فرزند حسنؑ نے حضرت رسُولِ خدا سے سُن کر بیان کی ہیں۔

ایک روز جناب امیر علیہ السّلام گھر میں موجود تھے۔ امام حسنؑ اپنے نانا سے وحی سُن کر آئے۔ انھیں اس کا علم نہ تھا کہ حضرت علیؑ گھر میں موجود ہیں۔ چاہا کہ مضمون وحی کو اپنی والدہ سے بیان کریں۔ لیکن بیان نہ کر سکے، زبان رک گئی۔ جناب سیدہ کو نہایت تعجب ہوا، عرض کی اماں جان! آپ تعجب نہ کریں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ہمارے پدر بزرگوار شاید سن رہے ہیں۔ ان کے سننے نے مجھے روک دیا۔ یہ سُن کر جناب امیر علیہ السّلام

باہر نکل آئے اور اپنے فرزند کو گود میں لے کر پیار کیا۔

ایک روز خلیفۂ اول حضرت ابوبکر منبر رسولؐ پر بیٹھے وعظ کر رہے تھے کہ حضرت امام حسنؑ جن کا سن سات آٹھ سال کا تھا وہاں پہونچ گئے فرمایا "میرے نانا کے منبر سے اتر آؤ۔ یہ جگہ میرے نانا کی ہے تمہارے نانا کی نہیں" حضرت ابوبکر یہ سن کر منبر سے اترے اور امام حسن علیہ السّلام کو گود میں لے کر کہنے لگے "فرزند رسول سچ کہتے ہو بے شک یہ منبر آپ ہی کے نانا کا ہے۔ میرے نانا کا نہیں۔

ایک اعرابی نے خلیفۂ اول سے یہ مسئلہ پوچھا کہ میں نے حالت احرام میں شتر مرغ کے انڈوں کو بھون کر کھالیا ہے۔ مجھے بتائیے کہ اس کا کفارہ کیا دوں انھوں نے کہا بھائی! مجھے تو معلوم نہیں تم عمر سے جا کر پوچھو۔ وہ حضرت عمر کے پاس گیا۔ انھوں نے کہا یہ تو میں بھی نہیں جانتا تم عبد الرحمٰن بن عوف سے پوچھو۔ وہ بیچارہ وہاں پہونچا۔ انھوں نے بھی ٹکا سا جواب دے دیا۔ آخر وہ، حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہما السّلام آپ کے سامنے کھیل رہے تھے۔ فرمایا ان دونوں لڑکوں میں سے جس سے چاہے پوچھ لے۔ اس نے امام حسن سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا اے اعرابی! تیرے پاس اونٹ ہیں۔ اس نے کہا۔ ہاں ہیں۔ فرمایا جتنے انڈے کھائے ہیں۔ اتنی ہی اونٹنیاں گابھن کرادے اور جو بچے پیدا ہوں ان کو، خانۂ خدا کے لئے ہدیہ بھیج دے۔ جناب امیر علیہ السّلام نے فرمایا بیٹا! یہ ضروری نہیں کہ سب اونٹنیاں حاملہ ہی ہو جائیں اور اگر حاملہ ہوں بھی تو بعض حمل ساقط بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ عرض کی بعض انڈے بھی تو گندے ہو جایا کرتے ہیں۔

ایک بار امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہما السّلام بیمار ہوئے حضرت رسولؐ خدا مع چند اصحاب کے ان کی عیادت کو تشریف لائے اور حضرت علی سے فرمایا

کہ ان کی صحت کے متعلق تین روزے نذر کرو۔ چنانچہ حضرت علی حضرت فاطمہ حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور جناب فضہ نے یہ نذر کرلی۔ جب شفا ہوگئی اور سب نے پہلا روزہ رکھا تو حضرت علی کو معلوم ہوا کہ آج گھر میں کھانے کو کچھ نہیں تلاش معاش میں گھر سے نکلے اور کہیں سے تھوڑے سے جو اون کاتنے کی اجرت میں لے کر آئے۔ جناب سیدہ نے اس اون کے بھی تین حصے کیے۔ اور جو کے بھی۔ پہلے ایک حصہ اون کاتا۔ پھر ایک حصہ جو پیس کر پانچ روٹیاں تیار کیں جب افطار کے وقت کھانے کو سب بیٹھے تو دروازہ پر ایک سائل نے آکر سوال کیا سب نے اپنی اپنی روٹیاں اسے دیدیں اور پانی سے افطار کرکے سو رہے۔ دوسرے دن پھر روزہ رکھا اور اسی طرح پھر پانچ روٹیاں پکائی گئیں افطار کے وقت پھر ایک سائل نے آواز دی۔ آج بھی سب روٹیاں سامنے سے اٹھا دی گئیں اور پانی سے افطار ہوا۔ تیسرے دن پھر ایسا ہی اتفاق ہوا اور روٹیاں سائل کو چلی گئیں۔ خداوند عالم کو اہل بیت اطہار کی یہ سخاوت جو انھوں نے اپنے نفس پر انتہائی تکلیف اٹھا کر محض خوشنودی خدا کے لئے کی تھی بہت پسند آئی۔ حضرت رسول خدا کو وحی ہوئی۔ کہ سیدہ کے گھر جاؤ اور سورہ دہر کی یہ آیات جو ان کی سخاوت کی تعریف میں ہیں جا کر سناؤ۔ جب آں حضرت بیٹی کے گھر تشریف لائے تو دیکھا۔ ایک ایک کا بھوک سے غیر حال ہے۔ ایک طرف سیدہ نڈھال پڑی ہیں۔ ان کا شکم پشت سے مل گیا ہے۔ دوسری طرف علی کا چہرہ اترا ہوا ہے۔ حسنین پر نظر گئی تو دل بے قابو ہوگیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے بے دم پڑے تھے۔ چہرے زرد پڑ گئے تھے۔ آنکھوں میں حلقے تھے۔ کھڑے ہونے سے قدم کانپتے تھے۔ حضرت نے دونوں کو چھاتی سے لگا کر پیار کیا۔ اور اپنے گھر سے کھانا منگا کر کھلایا۔

ایک روز حضرت رسول خدا مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شکاری ہرنی

کا چھوٹا سا بچہ بغل میں دبائے حاضر خدمت ہوا۔ اور عرض کی یہ میں شہزادوں کے
لئے لایا ہوں۔ اس وقت مسجد میں امام حسنؑ علیہ السّلام موجود تھے۔ آپ نے
وہ بچہ انھیں کے حوالے کر دیا۔ وہ خوش خوش اُس کو لیے ہوئے گھر آئے۔ اور امام
حسینؑ سے کہا۔ دیکھو نانا نے ہم کو یہ بچہ آہو دیا ہے۔ انھوں نے کہا۔ میں بھی اپنے
حصّہ کا بچّہ جا کر لاتا ہوں۔ یہ کہکر مسجد میں آئے اور بچہ آہو طلب کرنے لگے۔

حضرت رسول خدا نے ہر چند بہلانا چاہا مگر وہ اس خیال سے نہ ہٹے اور آنکھوں
میں آنسو بھر کر کہنے لگے۔ بس معلوم ہو گیا کہ آپ کو بھائی حسنؑ سے زیادہ محبت ہے
حضرت رسول خدا کو حسین کا آزردہ ہونا سخت ناگوار تھا۔ آپ نے درگاہ خدا میں
دعا کرنی شروع کی۔ ابھی دعا تمام نہ ہوئی تھی کہ ایک ہرنی مع اپنے بچے کے حاضر
ہوئی اور عرض کی یا رسُولؐ اللہ! میرے دو بچے تھے ایک صیاد پکڑ کر لے
آیا۔ دوسرا یہ حاضر خدمت ہے۔ اسے آپ شوق سے اپنے صاحب
زادے کو دے دیجئے۔ (مدینۃ المعاجز)

ایک روز حضرت رسُول خدا دونوں نواسوں کو اپنے دونوں زانوؤں پر بٹھائے
پیار کر رہے تھے۔ حسینؑ کا منھ چومتے تھے اور حسینؑ کے گلے پر بوسے دیتے
تھے۔ امام حسین علیہ السّلام اس بات سے ناخوش ہوئے اپنی والدہ کی خدمت
میں آکر عرض کی "اماں جان! ذرا سونگھئے تو میرے منھ سے بو تو نہیں آتی جناب
سیدہ نے سونگھ کر کہا نہیں تو بیٹا! بو کا تو کہیں نام بھی نہیں۔ یہ خیال تمھیں کیوں
پیدا ہوا۔ عرض کی نانا جان ہم دونوں بھائیوں کو پیار کر رہے تھے مگر میرا
گلا چومتے تھے اور بھائی کا منھ حضرت سیدہ نے فرمایا چلو ان سے اس
کی وجہ پوچھ ہی نہ لیں۔ حاضر خدمت ہو کر آپ سے سوال کیا۔ حضرتؐ آنکھوں
میں آنسو بھر لائے اور فرمایا۔ فاطمہ بیٹی! تم سے اس کی کیا وجہ بیان کروں
مجھے جبرئیلؑ نے خبر دی ہے کہ میرا فرزند حسن تو زہر دغا سے شہید کیا

جائے گا۔ اور اس کا کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر منھ سے باہر نکلے گا اور میرا فرزند حسین تیغ ظلم سے شہید ہوگا۔ ایک شقی اُس کے سوکھے حلق پر اس طرح خنجر چلائے گا۔ جیسے لوگ کسی گوسفند کو ذبح کرتے ہیں۔

ایک بار حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ دونوں کہیں گم ہو گئے۔ سارا گھر بدحواس و پریشان حال تھا۔ لوگ جابجا ڈھونڈھتے پھرتے تھے مگر کہیں پتہ نہ چلتا تھا۔ آخر ایک شخص نے آکر خبر دی کہ حدیقۂ بنی نجار (ایک باغ کا نام) کی طرف میں نے جاتے دیکھا تھا۔ حضرت رسولِ خدا مع چند اصحاب کے وہاں تشریف لے گئے۔ دیکھا تو دونوں بچے ایک دیوار کے سایہ میں پڑے سو رہے ہیں۔ حضرتؐ نے جاتے ہی دونوں کو اپنی چھاتی سے لگایا اور بڑی دیر تک پیار کرتے رہے پھر دونوں کو گود میں اٹھا کر گھر کو چلے۔ صحابہ نے ہر چند کہا کہ ایک کو ہمیں دے دیجئے۔ لیکن آپ راضی نہ ہوئے اور فرمایا یہ میرے باغ کے دو پھول ہیں۔ یہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔ خداوندا دوست رکھ اُسے جو ان کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اُسے جو ان کو دشمن رکھے۔

وہاں سے آپ مسجد میں تشریف لائے اور تمام اصحاب کو جمع کر کے فرمایا کیا میں تمھیں بتاؤں کہ نانا اور نانی کے اعتبار سے تم سب سے زیادہ بہتر کون ہے سب نے کہا ضرور فرمائیے۔ آپ نے فرمایا حسنؑ و حسینؑ جن کا نانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور نانی خدیجۃ الکبریٰ ہے۔ پھر فرمایا کیا میں تمھیں بتاؤں کہ ماں اور باپ کے اعتبار سے کون بہتر ہے۔ سب نے عرض کی ضرور فرمایا حسن و حسین جن کا باپ علی ہے اور ماں فاطمہ بنت محمدؐ۔ پھر فرمایا کیا میں تمھیں بتاؤں کہ چچا اور پھوپھی کے اعتبار سے کون افضل ہے سب نے عرض کی فرمائیے کہا۔ حسن و حسین۔ جن کا چچا جعفر طیّار اور پھوپھی اُم ہانی بنت ابوطالب ہے۔ پھر فرمایا کیا میں تمھیں بتاؤں کہ از روئے خالہ اور ماموں کون افضل ہے۔

سب نے عرض کی ارشاد ہو۔ فرمایا حسنؑ و حسینؑ جن کا ماموں قاسم ہے اور خالہ زینب (ربیبۂ حضرت رسول خدا) دارحج المطالب)

ایک بار عید ایسے موقع پر آئی کہ حضرت سیدہ اپنے بچوں کے لیے لباس تیار نہ کر سکیں جب ایک دن باقی رہ گیا تو امام حسن و امام حسین نے کہا۔ اماں جان! کل روز عید ہے۔ مدینہ کے سب لڑکے نئی نئی پوشاکیں پہنیں گے۔ اور اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہو کر نکلیں گے۔ ہمارے پاس نہ کپڑے ہیں نہ سواری جناب سیدہ نے بچوں کی تسلی کے لیے فرمادیا کہ تمھارے کپڑے خدا نے جنت میں تیار کرائے ہیں وہ بھیجے گا تو پہن لینا۔ رات کو بچے سو گئے اور جناب سیدہ نے درگاہِ الٰہی میں رو رو کر دعا کرنی شروع کی۔ خداوندا میری بات تیرے ہاتھ ہے صبح کو جب سب بچے نیا لباس پہن کر نکلیں گے تو میرے بچے کس قدر آزردہ ہوں گے۔ ابھی یہ دعا کر ہی رہی تھیں کہ کسی نے دروازہ پر دستک دی۔ جناب فضہ گئیں تو اس نے کہا میں درزی ہوں بچوں کے لباس سی کر لایا ہوں۔ فضہ خوش خوش وہ کپڑے لے کر گھر میں آئیں اور حضرت سیدہ کے سامنے پیش کیے۔ پوچھا کون لایا ہے۔ فضہ نے سارا حال بیان کیا۔ فرمایا جا کر پوچھو تو کہاں سے لایا ہے کس نے یہ کپڑے سینے کے لئے دیے تھے۔ اب جو حضرت فضہ گئیں تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ جناب سیدہ سمجھ گئیں کہ یہ لباس خدا کے بھیجے ہوئے ہیں شکر خدا کر کے ان کو رکھ لیا۔

صبح ہوئی تو حضرت رسولخدا تشریف لائے۔ امام حسن اور امام حسین علیہما السّلام نانا سے لپٹ گئے اور کہنے لگے۔ نانا سب بچے تو اپنی اپنی سواری پر سوار ہو کر عیدگاہ کو جا رہے ہیں۔ ہمارے پاس کوئی سواری نہیں حضرت نے فرمایا اے فرزندو! تم آزردہ خاطر نہ ہو تمھاری سواری میں ہوں آؤ تم دونوں میرے شانوں پر سوار ہو جاؤ۔ جب دونوں صاحبزادے کندھوں پر بیٹھ گئے تو امام حسینؑ نے کہا۔ نانا اور بچے تو اپنی اپنی سواری کی نکیل پکڑے ہیں۔ مگر ہماری سواری کی

نکیل ہمارے ہاتھ میں نہیں حضرتؐ نے اپنے دونوں گیسو بچوں کے ہاتھ میں دے دیئے اور فرمایا۔ لو تمہاری سواری کی نکیل یہ ہے۔ پھر بچوں نے کہنا شروع کیا کہ سب کی سواری کا اونٹ تو بولتا ہے مگر ہمارا نہیں بولتا۔ حضرت نے یہ سُن کر دو مرتبہ کلمہ عف عف زبان پر جاری کیا اکثر کتابوں میں یہ روایت صرف امام حسین علیہ السّلام کے متعلق لکھی ہے۔

۶۔ امام حسنؑ اور آیت تطہیر

ایک دن حضرت رسول خدا اُم المومنین حضرت اُم سلمہ کے گھر میں ایک یمنی چادر اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے کہ حضرت علی علیہ السّلام تشریف لائے عرض کی یا رسول اللہ! اجازت ہو تو میں بھی اس چادر میں آجاؤں۔ آپ نے اجازت دے دی اس کے بعد جناب فاطمہ آئیں وہ بھی اجازت لے کر داخل ہوگئیں۔ پھر حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ آئے وہ بھی اجازت لے کر اُس میں داخل ہوگئے جب یہ پنجتن پاک اس چادر میں آگئے تو یہ آیت نازل ہوئی انّما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرًا (بیشک اللہ یہ ارادہ رکھتا ہے کہ اے اہلبیت تم سے ہر نجاست کو دور رکھے اور پاک کردے جو حق پاک کرنے کا ہے) یہ آیت اس امر کو ظاہر کرتی ہے کہ اہلبیت معصوم ہیں یعنی اوّل عمر سے آخر عمر تک کوئی گناہ عمداً یا سہواً ان سے ہوا ہی نہیں۔

۷۔ مُباہلہ اور امام حسنؑ

ایک بار نجران کے عیسائی مدینہ میں آئے اور حضرت رسول خدا سے حضرت عیسیٰؑ کے بارہ میں مُباحثہ کرنے لگے۔ حضرت نے فرمایا۔ اگر تم اس وجہ سے ان کو خدا کا بیٹا کہتے ہو کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے تو اس بارہ میں حضرت آدمؑ

کو اُن پر فضیلت ہے کیونکہ اُن کے نہ ماں تھی نہ باپ۔ یہ جواب سُن کر وہ خاموش ہو گئے۔ لیکن اپنی ہٹ پر پھر بھی جمے رہے۔ آخر یہ طے پایا کہ مُباہلہ ہو۔ دوسرے دن حضرت رسُول خدا مباہلہ کو اس شان سے نکلے کہ امام حسن علیہ السّلام کی انگلی پکڑے ہوئے تھے۔ امام حسینؑ علیہ السّلام کو گود میں لیے ہوئے تھے حضرت فاطمہ زہرا پیچھے پیچھے تھیں اور حضرت علی مرتضیٰ ان کے پیچھے جب حضرت اس شان سے عیسائیوں کے سامنے پہونچے تو اُن کے پادری نے اپنی قوم سے کہا۔ واللہ میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ خدا سے دعا کریں کہ پہاڑ جگہ سے ہٹ جائے تو ضرور ہٹ جائے گا تم ان سے ہرگز مباہلہ نہ کرنا ورنہ یاد رکھو اگر انھوں نے بددعا کر دی تو پھر ایک عیسائی بھی روئے زمین پر باقی نہ رہے گا۔ پادری کا یہ کلام سُن کر وہ لوگ مُباہلہ سے ہٹ گئے اور حضرت رسول خدا کو ان کافروں کے مقابل فتح حاصل ہوئی۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت رسول خدا کے تمام خاندان اور تمام اصحاب میں صرف چار ہی شخص (علی و فاطمہ و حسن و حسین) ایسے تھے جو رسالت کے سچے گواہ بن سکتے تھے۔ صرف انھیں پر حضرت کو یہ بھروسہ تھا کہ جو کچھ یہ دُعا کریں گے۔ خدا کی درگاہ میں ضرور قبول ہو جائے گی۔ تفصیل کے لیے دیکھو اس سلسلہ کا نمبر ا و ۲ مع حوالۂ کتب)

۸۔ امام حسنؑ اور فتح مکّہ

فتح مکّہ کے وقت حضرت امام حسنؑ کی عمر پانچ سال کی تھی۔ جب آپ نے دیکھا کہ مکّہ کا میدان فوج اسلام سے ڈٹا پڑا ہے اور مکہ کے وہ سرکش کفار جنھوں نے ان کے نانا کو طرح طرح سے ستا کر جلا وطن کیا تھا۔ آج انتہائی ذلت کے ساتھ ان کے سامنے دست بستہ معافی کے خواستگار کھڑے ہیں تو شہزادے

کے دل کو کیسی خوشی حاصل ہوئی ہوگی۔ یا جب سنا ہوگا کہ ان کے باپ اور نانا نے خانۂ کعبہ کو بتوں سے پاک و صاف کر دیا تو دل کیسا خوشی سے پھولا ہوگا۔

حضرت علی اور حضرت رسول خدا نے اپنے پیارے بچے کو وہ مقامات بھی دکھائے ہوں گے جہاں اب سے چند سال قبل رہا کرتے تھے۔ ہم وطنوں اور رشتہ داروں سے ملاقات بھی کرائی ہوگی۔ تفصیلی واقعات اس سلسلہ کے نمبر ۱ و ۲ میں دیکھو۔

۹۔ حج آخر اور امام حسنؑ

جب حضرت رسول خدا حج آخر کو تشریف لے چلے تو سیدہ اور حسنین علیہما السلام بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ اپنے نانا اور پدر بزرگوار کے ساتھ امام حسن علیہ السلام نے بھی حج کے ارکان ادا کیے اور ان تاریخی مقامات کو پہلی بار اپنی آنکھوں سے دیکھا جن کا تذکرہ اکثر اپنے گھر میں سنا کرتے تھے۔

اس حج سے واپسی کے وقت یہ بھی دیکھا کہ مقام غدیر خم میں پہونچ کر ان کے نانا نے تمام مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کر کے ان کے پدر بزرگوار حضرت علی علیہ السلام کی خلافت و جانشینی کا اعلان کیا جس پر لوگوں نے ان کے پدر بزرگوار کو بڑے جوش سے مبارک بادیں دیں۔ حسان بن ثابت نے اُسی وقت اس واقعہ کے متعلق ایک قصیدہ نظم کر کے پڑھا۔ تفصیلی واقعات اس سلسلہ کے رسالہ نمبر ۱ و ۲ میں دیکھو۔

۱۰۔ امام حسنؑ اور وفات رسول

حج آخر سے واپس ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ حضرت رسول خدا کو مرض الموت نے آگھیرا۔ اس وقت حضرت امام حسن کی عمر سات سال اور کچھ مہینے کی تھی

جوں جوں حضرت کی علالت میں شدت ہوتی جاتی تھی۔ اہلبیت رسول کی بے چینی اور پریشانی بڑھتی جاتی تھی۔ سیدہ کی آنکھ سے آنسو نہیں تھمتا تھا۔ علی مرتضیٰ گھبرائے ہوئے تھے حسنین کا غم سے عجیب حال تھا بار بار نانا کے سینہ سے لپٹتے اور احوال پرسی کرتے تھے۔

اسی زمانہ میں حضرت امام حسنؑ نے یہ واقعہ بھی دیکھا کہ ایک دن ان کے نانا کے پاس بہت سے لوگوں کا مجمع تھا اور وہ اُن سے فرما رہے تھے۔ مجھے کاغذ دو کہ میں تمہارے لیے کچھ ایسا لکھ جاؤں کہ بعد میرے تم گمراہ نہ ہو۔ اس پر جلسہ میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں اور اتنا شور مچا کہ حضرتؑ نے گھٹ کر فرمایا میرے پاس سے ہٹ جاؤ یہ جھگڑا کرنا میرے سامنے سزاوار نہیں۔ اسی صحبت میں ایک شخص کو یہ بھی کہتے سُنا کہ معاذاللہ رسول اللہ کو ہذیان ہے۔ کتاب خدا ہماری ہدایت کے لیے کافی ہے یعنی کتاب خدا کے ہوتے رسولؐ کی کسی وصیت کی نہیں۔ اس واقعہ سے امام حسن علیہ السّلام کے دل پر کتنی چوٹ لگی ہو گی اس کا سمجھنا دشوار ہے۔ اگرچہ واقعات کی تہ تک پہونچنے کی عمر نہ سہی لیکن جو کچھ ہو رہا تھا اس سے اتنا تعجب تو کر سکتے تھے کہ جس نانا کے سامنے لوگ زور سے بول بھی نہ سکتے تھے۔ آج اُسی کے سامنے یہ شور و غل ہے جس سے کسی حکم سے روگردانی کی جرأت نہ ہوتی تھی آج اس کے ساتھ یہ بے اعتنائی یہ بے پروائی وہ کاغذ مانگتے ہیں اور نہیں ملتا۔ آخر یہ مسلمان کیوں ہمارے نانا کے اتنے خلاف ہیں۔ اگر دلوں کا حال نہ دیکھ سکتے تھے۔ تو تیوری کا بل تو نظر آتا تھا۔ آواز کی درشتی سے مزاج کی سختی کا تو پتہ چلتا تھا۔

اس کے بعد یہ وقت بھی امام حسنؑ نے دیکھا کہ ان کے شفیق نانا نے دنیا کی رحلت کی ہے۔ گھر میں کہرام بپا ہے۔ اہلبیت رسول سر و سینہ پیٹ رہے ہیں دنیا نظر میں تیرہ و تار ہے۔ اسی عالم میں خبر پہونچتی ہے۔ کہ مسلمان سقیفہ بنی ساعدہ

میں جمع ہو کر اپنے لیے خلیفہ کا انتخاب کر رہے ہیں. پھر خبر آئی آپس میں دھینگا مشتی ہو گئی مہاجرین و انصار میں اس بناء پر سخت نزع ہے کہ خلیفہ کس گروہ میں سے ہو۔ پھر معلوم ہوا حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی۔ وہ مسلمانوں کے خلیفہ یا بادشاہ تسلیم کر لیے گئے۔

خلافت کس کو ملی اور کس کو ملنی چاہیئے تھی۔ اس پر زیادہ غور کرنے کا موقع نہ تھا۔ البتہ اس افسوس کا محل ضرور تھا کہ رسولؐ کا جنازہ پڑا ہوا ہے اور کوئی مسلمان تجہیز و تکفین کے لیے نہیں آتا۔ ایسی بے خبری! ایسی بے پروائی! گویا اس گھر میں کوئی مرا ہی نہیں، یکایک یہ کیا زمانہ بدل گیا. مسلمانوں کی حالت میں کیسا جلد انقلاب پیدا ہو گیا کہ عام انسانی سطح سے بھی گر گئے۔

امام حسن علیہ السّلام دیکھ رہے تھے کہ سوائے بنی ہاشم اور چند خاص خاص صحابیوں کے کسی کے دل پر بھی اس عظیم الشان واقعہ کا اثر نہیں. ان کے باپ نے غسل دیا. کفن پہنایا اور چند آدمیوں کے ساتھ رسولؐ کے جنازہ پر نماز پڑھ کے اس امانت الٰہی کو سپرد خاک کر دیا. مسلمانوں کو اتنی بھی توفیق نہ ہوئی کہ کم سے کم رسولؐ کے جنازہ کی نماز ہی پڑھ لیتے۔ اپنے ہاتھوں سے مٹی ہی دے لیتے۔ ایسا کوئی نہ تھا جو یہ خیال کرتا کہ چند گھنٹے کے لیئے خلافت کا معاملہ ملتوی کر دیا جائے۔

کس قدر تعجب ہوا ہو گا جب یہ منظر نظر کے سامنے آیا ہو گا کہ رسول کے گھر میں تو ماتم ہو رہا ہے اور لوگ سلطنت پانے کی خوشیاں منا رہے ہیں. مبارکبادیں دی جا رہی ہیں۔ انتظام سلطنت کی فکریں ہو رہی ہیں۔ رسولؐ کی دلشکستہ بیٹی تصویر حسرت و یاس بنی بیٹھی ہے روتے روتے آنکھیں سرخ ہو گئی ہیں لیکن کوئی بھولے سے اس کے پاس تعزیت کو نہیں آتا. خیال کرتے ہوں گے رسولؐ کی زندگی میں لوگ ہم سے کس قدر محبت کا اظہار کرتے تھے۔ لیکن آج سب کی

آنکھیں پھری ہوئی ہیں کوئی سیدھے منھ بات نہیں کرتا۔

۱۱۔ خلافت کا پہلا دور اور امام حسنؑ

حضرت رسول خداؐ کی زندگی میں نہ صرف امام حسنؑ کو بلکہ آپ کے سارے گھر کو اس بات کا یقین تھا کہ آں حضرت کے بعد جناب امیر علیہ السلام خلیفہ اور جانشین ہوں گے۔ کیونکہ حضرت رسولؐ خدا بہت سے موقعوں پر اس کا اظہار فرما چکے تھے۔ لیکن حضرت کی آنکھ بند ہوتے ہی یہ سب اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔ کس قدر تعجب خیز بات تھی کہ امر خلافت جس کا پورا پورا اختیار صرف خدا اور اس کے رسول کو تھا مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں میں لیکر جسے چاہا خلیفہ بنا دیا۔ امام حسن علیہ السلام یہ بھی سوچتے ہوں گے کہ آخر میرے باپ میں ایسی کیا کمی تھی کہ مسلمانوں کی نظر انتخاب میں نہ جچے۔ اس سوال کا جواب خود ہی اپنے دل سے دے لیا ہوگا۔ کہ لوگوں کے بغض و حسد نے علیؑ کو ان کے جائز حق سے محروم کر دیا۔ ورنہ خدا اور رسولؐ کے پسندیدہ میں کمی کیسی۔؟

ابھی یہ افسوس برطرف نہ ہوا تھا کہ ایک اور ہولناک منظر سامنے آیا یعنی ایسی حالت میں کہ ان کے پدر بزرگوار معاملات حکومت سے بالکل بے تعلق ہو چکے تھے اور گھر کا دروازہ بند کر کے قرآن کو موافق تنزیل جمع کرنے اور ترتیب دینے میں مشغول تھے۔ کچھ لوگ حاکم وقت کی بیعت پر زور دینے کے لیے آگئے اور علیؑ کے بار بار انکار پر ان کا غصہ اس حد تک بڑھا کہ دروازے پر کھڑے ہو کر گھر جلانے کی دھمکی دینے لگے۔

۵؎ احراق بیت فاطمہ کی روایت مندرجۂ ذیل علمائے اہل سنت نے اپنی کتابوں میں کی ہے۔ محمد ابن جریر طبری۔ واقدی۔ عثمان ابن ابی شیبہ۔ ابن عبد ربہ۔ بلاذری۔ ابن عبد البر۔ ابوبکر جوہری۔ ابو الفدا۔ ابن قتیبہ۔ ملا علی متقی۔ شاہ ولی اللہ ۱۲

امام حسنؑ نے اس کا گھر کا پورا پورا احترام دیکھا۔ مسلمان جس شان سے اس در پر جبیں سائی کیا کرتے تھے۔ ان کی نظر میں تھا۔ ان کے والدین کی مودت واحترام کے متعلق جو کچھ خدا اور رسول نے عام مسلمانوں کے لیے فرمایا تھا وہ سب دماغ میں محفوظ تھا۔ اب جو یہ حال دیکھا ہوگا تو دل پر کیسی چوٹ لگی ہوگی۔ کیا اپنے وقار کا پہلا زمانہ نظر کے سامنے نہ آگیا ہوگا؟ کیا اس خیال سے کلیجہ نہ کٹ گیا ہوگا۔ کہ جس گھر میں سیدۂ نساء العالمین۔ خیر النساء۔ خاتون جنت۔ فخر مریم۔ صدیقہ طاہرہ، رسولؐ کی پارۂ جگر موجود ہوں اسی گھر کو مسلمان جلانے کے لیے آمادہ ہوں کتنے جلد رسولؐ کا یہ ارشاد بھلا دیا۔ "جس نے فاطمہؑ کو ایذا دی۔ اس نے مجھے ایذا دی۔

اس موقع پر امام حسنؑ کو یہ خیال بھی ہوا ہوگا کہ ان کے باپ جو عرب کے ایک نامور بہادر ہیں۔ جن کی تلوار کی تمام ملک میں دھاک بیٹھی ہوئی ہے جنھوں نے حیات رسولؐ میں بڑی بڑی لڑائیاں سر کی ہیں ضرور جوش شجاعت میں تلوار لے کر نکل پڑیں گے اور اس گستاخی کا وہ مزہ چکھائیں گے۔ کہ مسلمان عمر بھر یاد رکھیں گے۔ لیکن تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی ہوگی۔ جب باپ کو انتہائی صبر و سکون کے ساتھ یہ موقع گزارتے دیکھا ہوگا۔ علیؑ مرتضیٰ کے اس عمل سے یہ تعلیم حاصل ہوئی ہوگی۔ کہ بہادر اسی کو نہیں کہتے جو میدان جنگ ہی میں ڈٹ کر لڑتا ہو بلکہ اس کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ جب جنگ کرنا خلاف مصلحت ہو تو صبر کا جوہر بھی دکھائے۔ سمجھ گئے ہوں گے کہ اس وقت کی شمشیر زنی اسلام کی تباہی و بربادی کا باعث ہوتی۔ لوگ یہ خیال کر کے پھر اپنے پہلے دین کی طرف پلٹ جاتے۔ کہ رسول نے اس دین کو محض حکومت اور زر طلبی کے لیے جاری کیا تھا۔ دیکھو ان کے مرتے ہی ان کے گھر والے جو مال و دولت کے بھوکے تھے کس طرح لڑنے مرنے کو نکل پڑے۔

۱۲۔ مقدمہ فدک اور امام حسنؑ

امام حسنؑ کو معلوم تھا کہ ان کے نانا نے فدک کی جاگیر ان کی والدۂ گرامی کے نام ہبہ کر دی تھی اور حیات رسُول میں اس کی آمدنی انہی کے پاس آتی تھی کس قدر تعجب ہوا ہوگا جب ایک دن یہ صدا کان میں پڑی ہوگی کہ حکومت نے وہ جاگیریں مسلمانوں کا حق سمجھ کر ضبط کر لیں۔

جب فدک کا مقدمہ حضرت ابوبکر کی کچہری میں دائر ہوا تو اپنے باپ ور بھائی کے ساتھ امام حسن بھی گواہی میں گئے۔ کیا اس وقت یہ خیال نہ ہوا ہوگا کہ چاہے لاکھ ضبطی کا حکم نکال دیا گیا ہے۔ لیکن فیصلہ ہمارے ہی موافق ہو۔ امام حسنؑ کو ضرور یقین ہوگا۔ کہ جس چیز کی مدعی میری ماں جیسی صدیقہ اور علیؑ جیسا ایمان مجسم اس کا گواہ ہو تو حکومت ہرگز ایسا نہیں کر سکتی کہ ان سچی زبانوں کو جھٹلا دے اور واقعہ کی حقیقت پر نظر رکھے گی۔ لیکن حیرت کی انتہا نہ رہی ہوگی۔ جب حکومت نے اس بناء پر مقدمہ خارج کر دیا ہوگا۔ کہ گواہی[۱] کافی نہیں اور حضرت رسول خدا فرما گئے ہیں کہ "ہم گروہ انبیاء نہ کسی کی وارث بنتے ہیں۔ نہ کسی کو اپنا وارث چھوڑتے ہیں جو شئے ہم سے چھوٹ جائے وہ صدقہ ہے۔" اس پر اپنی والدہ کا یہ قول بھی سنا کہ "تم غلط کہتے ہو۔ میرے باپ نے ہرگز ایسا نہیں فرمایا اور کیونکر فرما سکتے تھے جبکہ یہ صراحتہً قرآن کے خلاف ہے۔ سلیمانؑ داؤدؑ کے وارث ہوں۔ یحییٰؑ ذکریا کے ورثہ دار بنیں۔ لیکن میں اپنے باپ کے ترکہ کی وارث نہ ہوں۔ تمہارے باپ جو کچھ چھوڑ مریں اس کے مالک تم بن جاؤ۔ اور میرے باپ جو کچھ چھوڑیں اس کی مالک میں نہ بنوں کس قدر تعجب کی بات ہے۔"

امام حسنؑ نے دیکھا کہ ان کی والدہ یہ کلام بڑے غضبناک لہجہ میں کر رہی تھیں۔

---

[۱] دیکھو کتاب الاکتفا ابراہیم بن عبداللہ یمنی شافعی ۱۲

آخر دل گرفتہ ہو کر وہاں سے چلی آئیں اور جب تک زندہ رہیں پھر کبھی اس شخص سے کلام[۱] نہ کیا۔ اس واقعہ کے بعد یہ بھی دیکھا کہ ماں کی خدمت میں کچھ لوگ آئے ہوئے ہیں سیدہ پس پردہ بیٹھی ہیں ایک شخص اپنا گناہ بیان کر کے بار بار معافی کا طالب ہو رہا ہے۔ لیکن ایسی خاموش ہیں کہ ایک کلمہ اس کے جواب میں نہیں کہتیں اور وہ لوگ غصہ میں بھرے ہوئے گھر سے باہر چلے جاتے ہیں

۱۳۔ وفات جناب سیدہ اور امام حسنؑ

جناب سیدہ کی وفات کا تفصیلی حال ہم اس سلسلہ کے نمبر ۳ میں درج کر چکے ہیں۔ اب دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا لکھے دیتے ہیں کہ جناب امام حسن علیہ السّلام نے یہ بھی دیکھا کہ ان کی والدۂ گرامی نے اپنی وفات سے کچھ دیر پہلے اُن کے پدر بزرگوار کو جہاں اور وصیتیں بہت سی کیں۔ ایک وصیت یہ بھی تھی۔ کہ فلاں فلاں لوگ میرے جنازہ پر نہ آئیں۔ اس سے جناب امام حسن علیہ السّلام نے یہ اندازہ کیا ہو گا کہ ان کی والدہ کو ان لوگوں سے کس حد تک بیزاری ہے کہ زندگی میں ملنا جلنا یا کلام کرنا تو کیسا مرنے کے بعد اپنے جنازہ پر اُن کا آنا بھی پسند نہیں کرتیں۔

۱۴۔ خلافت کا دوسرا دور اور امام حسنؑ

دو سال تین ماہ خلافت کرنے کے بعد جب حضرت ابوبکر کا انتقال ہو گیا تو اُن کی وصیت کے مطابق حضرت عمر خلیفہ ہوئے اب حضرت امام حسنؑ کی عمر تقریباً گیارہ سال کی تھی۔ گزشتہ دو سال کا تجربہ یہ بتا رہا تھا کہ اب بنی ہاشم اور بنی امیہ میں بالخصوص اہلبیت کا اقتدار قائم رہنا بہت دشوار ہے۔ کیونکہ

۱؎ صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۴۰۔

ان کی بیخ کنی میں بہت سی قوتیں کام کر رہی تھیں۔

وفات رسول کے بعد جو غلط طریقہ مسلمانوں نے خلیفہ کے تعین کا قرار دیا تھا وہ دو سال سے زیادہ نہ چل سکا۔ اور حضرت عمر اجماع سے نہیں۔ بلکہ حضرت ابو بکر کی وصیت سے خلیفہ بنائے گئے۔ کیا یہ کچھ کم تعجب انگیز بات نہ تھی۔ کہ رسول خدا کی وصیت کو تو اجماع کے مقابل پس پشت ڈال دیا گیا۔ لیکن جب حضرت ابو بکر نے وصیت کی تو وہ قابل قبول سمجھی گئی۔

حضرت ابو بکر کی خلافت کے زمانہ میں حضرت علی اور ان کے متعلقین کو سخت تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ باوجودیکہ آپ سلطنت کے معاملات سے قطعاً بے تعلق ہو کر خانہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ مگر لوگ اس پر بھی چین نہ لینے دیتے تھے۔ یہ زمانہ آپ کو بڑی احتیاط سے بسر کرنا پڑا۔ آپ قرآن کو موافق نزول جمع کرتے رہے۔ امام حسن اور امام حسین علیہما السّلام ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ آپ ان کو علم قرآن کی تعلیم دیتے اور حقائق و معارف کے سبق پڑھاتے تھے۔

حضرت ابو بکر کے بعد جب خلافت کا دوسرا دور آیا تب بھی امیر المومنین علیہ السلام نے سیاسی معاملات سے کوئی خاص تعلق نہیں رکھا۔ البتہ جب خلیفہ کسی امر میں مشورہ کرتے تو آپ صحیح رائے دینے میں بخل کبھی نہ فرماتے تھے۔ اکثر اوقات آپ کے بہترین مشورہ کی وجہ سے حضرت عمر کو بڑے بڑے مہلکوں سے نجات مل گئی۔

حضرت عمر کو چونکہ فقہ کا علم بہت ہی کم تھا۔ اس لئے جب کوئی قضیہ اُنکے پاس آتا تھا تو بہت چکراتے تھے اور اکثر اوقات غلط فیصلہ کر دیا کرتے تھے۔ حضرت علی علیہ السّلام کو خبر ہوتی تھی تو آپ اس سے آگاہ فرما دیتے تھے کئی بار

جب ایسا ہی ہوا تو حضرت عمر نے اپنے مقام پر یہ طے کیا کہ آئندہ جو قضیہ ان کے پاس آئے اس کو فیصلہ کے لیے حضرت علی علیہ السّلام کے پاس بھیج دیا کریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان کے تمام زمانہ خلافت میں امیرالمومنین حضرت علیؑ یا ان کے بیٹے حسن و حسینؑ علیہما السّلام ہی ہر قضیہ کو فیصل کرتے رہے۔

جناب امیر علیہ السّلام تو بہت ہی کم خلیفہ کے دربار میں تشریف لے جاتے تھے۔ البتہ امام حسن علیہ السّلام کو اکثر بھیج دیا کرتے تھے۔ جب یہ وہاں جاتے۔ تو خلیفہ عمر ان کی تعظیم کو کھڑے ہو جاتے اور اپنے پہلو میں جگہ دیتے۔

خلیفہ عمر بڑی پالیسی کے آدمی تھے۔ ظاہر میں تو وہ اہلبیت کو ملائے ہوئے تھے۔ لیکن باطن میں ایسی تدبیریں کرتے رہتے تھے۔ کہ یہ لوگ کسی وقت بھی پنپنے نہ پائیں۔ چنانچہ منجملہ اور تدبیروں کے ایک تدبیر یہ بھی تھی کہ بنی ہاشم کے پرانے دشمن بنی امیہ کے سر پر انھوں نے دست شفقت رکھا اور اسی سلسلہ میں ابوسفیان کے بیٹے اور یزید لعین کے باپ معاویہ کو شام کا گورنر مقرر کر دیا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں۔ کہ بنی ہاشم کی تباہی و بربادی کی بنیاد اسی زمانہ میں رکھی گئی۔ یہی وہ آگ کی چنگاری تھی۔ جس نے آئندہ شعلہ فشاں ہو کر کربلا میں اہل بیت رسولؐ کے گھر کو پھونک دیا۔

۱۵۔ خلافت کا تیسرا دور اور امام حسنؑ

حضرت عمر کے ساتھ جو جو احسانات حضرت علی نے کیے تھے۔ ان کا اقتضا تو یہ تھا کہ اپنے بعد حضرت علیؑ ہی کو خلیفہ بناتے مگر حضرت علی کی طرف سے ان کے دل میں اتنی گنجایش کہاں تھی۔ جب غرض پڑتی تھی۔

"اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا" کہکر کام چلا لیتے تھے ورنہ وہی علی اور وہی عمر۔ بہر حال مرتے وقت انھوں نے خلیفہ کے تقرر کا کام کچھ شرائط کے ماتحت

میں ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا۔ جس کی تفصیلی حالت ہم اس سلسلہ کے رسالہ نمبر ۲ میں لکھ چکے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کچھ لوگوں کی چالاکیاں کام کر گئیں اور خاندان بنی امیہ کے چشم و چراغ حضرت عثمان خلیفہ بنا دیئے گئے۔ یہی حضرت عمر کی خواہش بھی تھی کیونکہ وہ اپنے بعد بنی ہاشم کے استیصال کا ایک ایسا دوامی بند و بست کرنا چاہتے تھے جو کم از کم صدی دو صدی تو باقی رہے۔ بنی امیہ سے بہتر اور کوئی قبیلہ ان کو نظر نہ آیا۔ بنی ہاشم سے عداوت اور انتقام کی آگ سب سے زیادہ اسی قبیلہ کے دل میں بھڑک رہی تھی۔

حضرت عثمان بیچارے بہت معمولی قابلیت اور چھوٹے سے دماغ کے آدمی تھے سیاسی معاملات سے اُن کو دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ ان سب پر طرہ یہ کہ کانوں کے کچے، دل کے کمزور اور ارادے کے موم تھے۔ ہاں ایک وصف ان میں اعلیٰ درجہ کا تھا۔ اپنے قبیلہ پر دل و جان سے نثار اور اپنے عزیزوں کی ترقی کے دل سے خواستگار رہتے۔ اسلامی خزانے کو بے دریغ ان پر خرچ کرتے تھے ان کا تخت پر بیٹھنا تھا۔ کہ بنی امیہ کا ٹڈی دل گوشہ گوشہ سے اس طرح امنڈ پڑا جیسے مٹھاس پر چونٹیاں آجاتی ہیں۔ اب کیا تھا تمام اسلامی حکومت پر بنی امیہ کا بادل چھا گیا جس محکمہ میں دیکھو بنی امیہ جس صیغہ میں دیکھو بنی امیہ بنی ہاشم سے جس کسی کو دور کا بھی لگاؤ تھا فوراً برطرف۔ خزانوں کا منھ اُن کے لیے کھول دیا گیا حاکموں کو پوری طرح آزادی دیدی گئی جس طرح بھوکے گدھ مُردے کو چمٹتے ہیں اسی طرح جاہ و دولت کو ترسے ہوئے بنی امیہ اسلامی سلطنت کے لپٹ گئے۔ حلال و حرام میں تمیز باقی نہ رہی جو جس کے ہاتھ آیا لے بھاگا جب بدامنی اور لوٹ مار حد کو پہونچ گئی تو رعایا میں ایک عام بیچینی پیدا ہوئی۔ ہر طرف سے شکایتوں کی عرضیاں آنے لگیں۔ لیکن خلیفہ عثمان کے کان پر جوں بھی نہ رینگی

لہ تاریخ خمیس۔ حیوۃ الحیوان ملل و نحل شہرستانی ۱۲

وہ ہنسی خوشی اپنے دن گزارتے رہے اور غریب رعایا خوب خوب لٹتی رہی حضرت رسولِ خدا کے بہت سے صحابی ان کی بے خبری اور کنبہ پروری پر سخت ناراض تھے۔ بار بار جا کر سمجھاتے تھے مگر ع

کون سنتا ہے فغانِ درویش

انسانیت کا اقتضا تو یہ تھا کہ ان نیک دل صحابہ کا شکریہ ادا کیا جاتا اور ان کے مشورہ کو شکریہ کے ساتھ قبول کیا جاتا لیکن اس کی جگہ ہوا تو یہ ہوا کہ حضرت ابوذر جیسے جلیل القدر صحابی کو جلاوطن کر کے ایک ویران و سنسان مقام پر جو ربذہ کہلاتا تھا بھیج دیا۔ اہلبیت رسول کو اُن کی جُدائی بہت شاق ہوئی حضرت علی، حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ اور دیگر خاندان بنی ہاشم کے معزز افراد اُن کو پہونچانے کے لیے دور تک گئے اور اس شکستہ دل صحابی کو جتنی تسکین دے سکتے تھے دی۔ صرف اسی پر بس نہیں کی۔ بلکہ حضرت عمار یاسر جیسے کامل الایمان صحابی کو لاتوں سے اتنا مارا کہ ان کو فتق کا عارضہ ہو گیا سر دربار بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حضرت امام حسن علیہ السّلام مدت تک ان کی تیمار داری میں مشغول رہے ان دونوں بزرگوں کا جرم اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ یہ اہلبیتؑ کے دوستوں میں سے تھے۔

اسی قسم کی بہت سی باتیں تھیں جنھوں نے حضرت عثمان کے خلاف تمام اسلامی سلطنت میں ایک آگ سی بھڑکا دی تھی اور لوگ ان کے قتل کی تدبیریں کرنے لگے تھے۔ بالآخر کوفیوں اور بصریوں وغیرہ نے آکر ان کا محاصرہ کر ہی لیا۔ جب حضرت علی علیہ السّلام کو یہ خبر پہونچی تو آپ نے ان دونوں فرزندوں حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو حکم دیا کہ تم جا کر عثمان کی حفاظت کرو جب

ا تاریخ خمیس ص ۲۶۹ ۲ تاریخ خمیس ص ۲۷۲ ۳ روضۃ الصفا ۱۲

لوگوں نے ان پر پانی بند کیا۔ اور پیاس سے ان کی جان لبوں پر آگئی تو حضرت امام حسن علیہ السّلام نے ان کے لیے پانی مہیا کیا۔

بہر حال خلافت کا یہ دَور حضرت امام حسن اور ان کے خاندان کے لیے بہت ہی بُرا زمانہ تھا۔ نہ محض اس وجہ سے کہ اُن کے جملہ حقوق ضبطی میں آگئے تھے۔ ان کی آزادی ایک بڑی حد تک سلب ہوگئی تھی۔ ان کے دوستوں کو تلاش کر کر کے عہدوں سے برطرف کیا جارہا تھا۔ ہوا خواہوں کو ایذائیں دی جارہی تھیں۔ بلکہ اس لیے کہ بنی امیہ اسلامی شاہراہ میں ایک ایسی خوفناک کانٹوں کی باڑھ لگا رہے تھے۔ جو ہر ہر قدم پر بنی ہاشم کے خون کے آنسو رلوانے والی تھی۔

ان تینوں خلافتوں کے زمانہ میں اہل بیت رسول کی زندگی اس طرح گزری ہے کہ گھر سے نکلے مسجد میں آگئے اور مسجد سے اٹھے گھر میں چلے گئے۔ سلطنت کے کاروبار سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا۔

۱۶۔ خلافت حضرت علیؑ اور امام حسنؑ

حضرت علی علیہ السّلام کی خلافت کا دور شروع ہوتے ہی بنی اُمیہ نے ہر طرف بغاوت کی خاک اُڑانی شروع کردی اور ایک دن حضرت کو چین سے حکومت کرنے کا موقع نہ دیا۔

تقریباً ساڑھے چار سال کا زمانہ لشکر کشی اور دشمن کی سرکوبی میں گزرا بہر حال حضرت علی علیہ السّلام کی حکومت کے زمانہ میں دو تین کام امام حسن کر متعلق رہے۔ اوّل قضایا کا فیصلہ۔ دوسرے بیت المال کی نگرانی تیسرے حقوق مسلمین کی نگہداشت۔ ہم اس سلسلہ کے رسالہ نمبر ۲ میں اس بات پر تفصیلی روشنی ڈال چکے ہیں۔ کہ حضرت علیؑ کے خلیفہ ہوتے ہی ہر طرف بغاوت کیوں پھیلی۔ یہاں مختصراً اتنا ذکر کرتے ہیں کہ اس کے دو خاص سبب تھے اوّل

یہ کہ بنی اُمیہ کو آپ کا خلیفہ ہونا سخت ناگوار تھا چنانچہ معاویہ نے آپ کی خلافت کے پہلے ہی سال اپنی آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ اور اس نے حضرت علی کا زور توڑنے اور اُن کو مقصد میں ناکام بنانے کے لئے ایک سیاسی چال یہ چلی تھی کہ حضرت عثمان کے قتل کا الزام حضرت علیؑ کے سر تھوپ کر جا بجا مسلمانوں کو ان کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا تھا۔ اور اصل حال سے ناواقف لوگ حضرت کے جانی دشمن بن گئے تھے۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ حضرت علی کی حکومت پہلے خلیفوں کی سی حکومت نہ تھی کہ جیسا موقع دیکھا کام کر لیا بلکہ آپ چاہتے تھے کہ سیاست محمدی کے مطابق اصلی حکومت و سلطنت اسلامی قائم ہو۔ جس میں عدل و انصاف سے ایسا کام لیا جائے کہ کسی ایک فرد کو بھی شکایت کا موقع نہ ملے۔ آپ نے حکام کو سخت ممانعت کر دی تھی کہ کسی پر ذرا بھی ظلم نہ کریں۔ حضرت کی یہ سخت گیریاں ان حاکموں کو ناگوار ہوئیں جو پہلے سے ظلم و جور کے عادی اور عیش و نشاط کے خوگر ہو رہے تھے۔ چنانچہ وہ سب کے سب خلاف ہو گئے۔ طلحہ و زبیر نے پہلے تو بیعت کر لی تھی۔ لیکن جب دیکھا کہ علی کی حکومت میں لقمۂ حرام کی گنجائش نہیں توڑ کر وہ بھی اپنی حکومت کی کوشش میں جا لگے۔ معاویہ پر تو قابو چلتا نہ دیکھا۔ حضرت عائشہ عورت ذات تھیں اپنی جادو بیانی سے انھیں مٹھی میں لے لیا اور یہ پٹی دی۔ کہ خون عثمان کا بدلہ حضرت علی سے لیں۔ چنانچہ ان کو ساتھ لے کر بصرہ پہونچ گئے اور وہاں ایک بڑی فوج حضرت علی کے خلاف جمع کر لی اور لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔

جب حضرت علی علیہ السّلام کو اس کا پتہ چلا تو آپ بھی لشکر لے کر بصرہ پہونچے چونکہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی امر زوجۂ رسول کے احترام کے خلاف ہو لہٰذا صلح کی پوری پوری کوشش کی۔ حضرت امام حسنؑ

کو اُم المومنین کے سمجھانے کے لیے بھیجا وہ گئے اور گھنٹوں نانی جان کو سمجھاتے اور لڑائی کے نشیب و فراز دکھاتے رہے لیکن ان کی سمجھ میں کوئی بات کہاں آنے والی تھی۔ بدستور اپنی ہٹ پر جمی رہیں اور امام حسن علیہ السّلام ناکام واپس آ گئے۔

مختصر یہ ہے کہ صلح نہ ہونی تھی نہ ہوئی اور جنگ کے لیے دونوں فوجیں میدان میں نکل آئیں۔ حضرت عائشہ خود ایک اونٹ پر سوار ہو کر فوج کا انتظام کرنے اور لوگوں کو علی کی مخالفت پر بھڑکانے کے لیے میدان جنگ میں آ گئیں۔ چونکہ وہ اونٹ پر سوار تھیں اور عربی زبان میں اونٹ کو جمل کہتے ہیں۔ لہٰذا یہ لڑائی جنگ جمل کے نام سے مشہور ہوئی۔

جب حضرت عائشہ کی فوج میدان میں پرے باندھ کر کھڑی ہو گئی تو مجبوراً حضرت علی کو بھی مقابلہ کرنا پڑا۔ آپ نے پہلے تو اپنی فوج کا علم اپنے نامور بیٹے حضرت محمد حنفیہ کو دیا۔ پھر امام حسنؑ سے فرمایا۔ بیٹا! اب تم جاؤ اور ڈٹ کر دشمن سے کارزار کرو۔ چنانچہ آپ گئے اور ایسی دلیری سے لڑے کہ دشمن کے حواس باختہ ہو گئے۔ جب بہت سے نابکاروں کو قتل کر کے واپس آئے تو حضرت علی نے اپنے بہادر بیٹے کو چھاتی سے لگا لیا اور ان کی بڑی تعریف کی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی نے اپنے فرزند محمد حنفیہ کو بلا کر ایک نیزہ دیا کہ اسے جا کر عائشہ کے اونٹ کی ٹانگوں پر مارو۔ محمد حنفیہ جب چلے تو بعض لوگوں نے منع کیا۔ وہ واپس آ گئے۔ امام حسن علیہ السّلام نے بڑھ کر وہ نیزہ ان کے ہاتھ سے چھین لیا۔ اور خود میدان جنگ میں تشریف لے گئے اور عائشہ کے اونٹ کی ٹانگیں اسی نیزہ سے توڑ دیں پھر خون بھرا نیزہ لے کر اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ دیکھ کر محمد حنفیہ شرمندہ سے ہو گئے۔ حضرت نے فرمایا شرمندہ مت ہو یہ نبی کا بیٹا ہے اور تو علی کا بیٹا ہے۔

اس لڑائی کے دوسرے ہی سال معاویہ نے جنگ صفین کی تیاریاں شروع کر دیں اور ایک عظیم الشان لشکر جمع کر کے میدان میں نکل پڑا۔ حضرت علی نے اس کا مقابلہ کیا۔ امام حسن علیہ السلام اس جنگ میں بھی شریک تھے کئی روز آپ اپنی فوج کے ایک دستہ سے شامیوں کے ساتھ جنگ کرتے رہے۔ اس لڑائی میں حضرت رسول خدا کے مشہور و معروف صحابی حضرت عمار یاسر شہید ہو گئے اس جنگ کے تفصیلی حالات اس سلسلہ کے نمبر ۲ میں دیکھیے۔

جنگ صفین کے بعد حضرت علی علیہ السّلام کو فرقۂ خوارج سے نہروان میں لڑنا پڑا۔ امام حسن علیہ السّلام اس جنگ میں بھی شریک تھے۔ تفصیلی حالت اس سلسلہ کے رسالہ نمبر ۲ میں دیکھیے۔

۷۔ حضرت علیؑ کی شہادت اور امام حسنؑ

جنگ نہروان کے بعد خارجیوں کو جناب امیر علیہ السّلام سے سخت عداوت ہو گئی اور حضرت کے قتل کی تدبیریں کرنے لگے۔ چنانچہ اُن میں کا ایک شخص عبد الرحمن بن ملجم ۱۸ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ میں وقت شب حضرت کے قتل کے ارادہ سے مسجد کوفہ میں آ چھپا۔ نصف شب کے بعد جب حضرت علی علیہ السّلام نماز میں مشغول تھے اس شقی نے پہلے ہی سجدہ میں اپنی زہر آلود تلوار کا ایک ایسا وار حضرت کے سر پر کیا کہ کئی اینچ گہرا زخم ہو گیا۔ خون کا فوارہ چھوٹ پڑا۔ اور تمام مصلّے اور محراب خون سے بھر گئی۔

جب لوگ نماز صبح کے لئے مسجد میں آئے اور حضرت کو اس حال میں دیکھا تو حسنین علیہما السّلام کو جا کر خبر دی۔

دونوں بھائی باحال پریشان مسجد میں پہونچے اور حضرت کو وہاں سے اٹھا کر گھر میں لے گئے۔

تھوڑی دیر بعد قاتل کو گرفتار کر کے لے آئے۔ حضرت نے اُس کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ اے شخص کیا میں تیرا بُرا امام تھا جو تو نے ایسا عمل کیا۔ پھر آپ نے امام حسن علیہ السّلام سے فرمایا۔ بیٹا! اگر میں اس زخم سے مر جاؤں تو اس کے بدلے میں تم بھی تلوار کا ایک ہی زخم اس کے سر پر لگانا۔

ابن ملجم نے کہا میں بھوکا اور پیاسا ہوں۔ آپ نے امام حسن علیہ السّلام سے فرمایا۔ کہ اس کو کھانا کھلاؤ اور پانی پلاؤ۔ اگرچہ یہ میرا قاتل ہے مگر مجھ سے کسی کا بھوکا پیاسا رہنا نہیں دیکھا جا سکتا۔

الغرض امام حسن علیہ السّلام نے جراح کو بلا کر دکھایا۔ اس نے کہا۔ حضرت کا بچنا دشوار ہے۔ تلوار زہر آلود تھی زہر کا اثر سارے بدن میں دوڑ چکا ہے۔ یہ جواب سُن کر سارا گھر پریشان ہو گیا حضرت علی نے یہ دیکھ کر کہ امام حسن علیہ السّلام علاج کے لیے بہت زیادہ بے چین ہیں فرمایا۔ "بیٹا! تمھارا باپ موت کا اتنا ہی مشتاق ہے جتنا ایک بچہ اپنی ماں کی چھاتی کا ہوتا ہے۔

جب حضرت نے دیکھا کہ اب موت کا وقت قریب ہے تو سب اولاد کو اپنے پاس بلایا۔ اور ان کا ہاتھ امام حسن علیہ السّلام کے ہاتھ میں دے کر کہا بیٹا! میرے بعد تم حجت خدا ہو یہ میری ساری اولاد تمھارے سپرد ہے۔ پھر اسرار امامت تعلیم فرما کر کہا۔ میں آج شب میں تم سے جدا ہو جاؤں گا۔ مجھے نجف میں دفن کرنا۔ "تفصیلی حالات اس سلسلہ کے نمبر ۲ میں دیکھیے۔

۱۸۔ امام حسنؑ کی خلافت اور معاویہ

حضرت علی علیہ السّلام کے بعد حضرت امام حسن علیہ السّلام خلیفہ ہوئے لیکن وہ معاویہ جس نے حضرت علی علیہ السّلام کو ایک دن چین سے حکومت

نہ کرنے دی۔ بھلا امام حسن علیہ السّلام کو کیا کرنے دیتا۔ آپ کی حکومت کا زمانہ کل چار ماہ تین روز ہے۔ اس مدت میں آپ کو بے شمار مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ بنی امیّہ ہر طرف بر سر فساد تھے اور معاویہ نے چاروں طرف آپ کے لیے کانٹے بچھا رکھے تھے۔

روضۃ الصفا میں ہے۔

جب امیر المومنین علی علیہ السّلام کا انتقال ہو گیا تو امام حسن علیہ السّلام منبر پر تشریف لے گئے اور مسلمانوں کے بھرے مجمع میں فرمایا:۔

لوگو! آج رات کو تمہارے درمیان سے وہ شخص اٹھ گیا جس کی مثل نہ پہلے لوگوں نے دیکھا ہے اور نہ اگلے لوگ دیکھیں گے وہ ایسے بہادر آدمی تھے کہ جب حضرت رسولخدا ان کو کفار و مشرکین کی سرکوبی کے لئے بھیجتے تھے تو جبریل ان کے داہنی جانب اور میکائیل بائیں جانب ہوتے تھے اور جب تک خداوند عالم اُن کو فتح نہ دیتا تھا وہ میدان جنگ سے واپس نہ آتے تھے انھوں نے اسی رات کو وفات پائی ہے کہ جس رات کو حضرت موسیٰؑ نے وفات پائی تھی اور حضرت عیسیٰؑ آسمان پر اٹھائے گئے تھے۔ اس کے بعد آپ نے ہر اُس واقعہ کو بیان کیا جو اس رات میں انبیائے سابقین کے زمانہ میں ہوا تھا۔

اس کے بعد آپ نے اپنی خلافت کا اعلان کر کے لوگوں سے بیعت طلب کی۔ سب سے پہلے جس سعادتمند نے حضرت کی بیعت کی طرف سبقت کی وہ قیس بن سعد بن عبادہ انصاری تھے۔ ان کے بعد باری باری اور لوگوں نے بیعت کی۔

جب معاویہ کو حضرت علی کی وفات اور امام حسنؑ کی بیعت کا حال معلوم ہوا۔

تو ساٹھ ہزار آدمی لے کر عراق عرب کے فتح کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ ان کی آمد کا حال سُن کر امام حسن علیہ السّلام بھی چالیس ہزار فوج کے ساتھ کوفہ سے باہر نکلے اور مسافت طے کر کے دیرِ عبدالرحمٰن میں قیام فرمایا۔ اور حکم دیا کہ قیس بن سعد بارہ ہزار سوار لے کر آگے جائے۔ تاریخ اعثم کوفی میں ہے کہ جب امام حسن علیہ السّلام ساباط مدائن میں پہونچے تو اس روز آپ نے وہیں قیام فرمایا تاکہ تھکے ہوئے چوپاؤں کو آرام ملے۔ اور وہاں سے چلتے وقت آپ نے لوگوں کے مجمع میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں بعد حمد و صلوٰۃ حسب ذیل بیان تھا۔

لوگو! تم نے اس شرط پر مجھ سے بیعت کی ہے۔ کہ صلح و جنگ دونوں حالتوں میں میرا ساتھ دو۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے کسی شخص سے بغض و عداوت نہیں ہے۔ اور مشرق سے مغرب تک تم کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں پا سکتے کہ اس کی تکلیف رسانی کا خیال بھی میرے دل میں گزرا ہو۔ میں آپس میں صلح و آشتی کو تفرقہ، پریشانی، دشمنی، خوف اور بغض و عداوت سے کہیں زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ والسّلام۔"

لوگوں نے حضرت کی اس تقریر سے یہ سمجھا کہ آپ معاویہ سے صلح کا ارادہ رکھتے ہیں اور خلافت کو ترک کرنے والے ہیں۔ پس خارجیوں کے ایک گروہ نے آپس میں کہنا شروع کیا کہ واللہ یہ بھی اپنے باپ کی طرح (معاذ اللہ) کافر ہو گئے اور اُن احمقوں کا غصہ اس حد تک بڑھا کہ حضرت سے لڑنے مرنے کو تیار ہو گئے۔ آپ کا لباس پھاڑ ڈالا جس فرش پر آپ بیٹھے تھے۔ اس کو لے بھاگے اور بہت سے لوگوں نے لشکر سے علیحدگی اختیار کر لی۔ جب حضرت نے اپنی فوج کا یہ حال دیکھا تو، فرمایا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ آپ کو سخت ملال ہوا کہ میں نے کیسی اچھی بات کہی تھی۔ مگر ان احمقوں نے اس کا اُلٹا مطلب سمجھا

الغرض حضرت وہاں سے مدائن کو روانہ ہوئے اثنائے راہ میں ایک خارجی نے جس کا نام جراح بن اسودی تھا موقع پاکر حضرت پر تلوار کا وار کیا۔ جس سے آپ زخمی ہو گئے۔ عبداللہ بن خظل اور عبداللہ بن ذبیان نے اس ملعون کو قتل کر ڈالا۔ اور حضرت نے مدائن کے قصر ابیض میں قیام فرما کر جراحوں سے اپنے زخم کا علاج کرایا۔ ابھی حضرت کا زخم پوری طرح اچھا بھی نہ ہونے پایا تھا۔ کہ معاویہ انبار تک پہونچ گیا اور اس نے قیس بن سعد جس کو وہاں امام حسنؑ نے ایک لشکر کے ساتھ پہلے سے بھیجدیا تھا۔ محاصرہ کر لیا عبداللہ بن عامر معاویہ کا ایک سپہ سالار مدائن میں آپہونچا۔ جب امام حسن علیہ السّلام کو اس کی آمد کی اطلاع ملی۔ تو حضرت اس سے لڑنے کے لئے نکلے۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ عبداللہ بن عامر نے زور زور سے کہنا شروع کیا۔

اے عراق والو! میں معاویہ کا مقدمہ لشکر ہوں۔ میری غرض لڑائی نہیں ہے معاویہ ایک لشکر جرار کے ساتھ انبار تک آگیا ہے۔ اب میرا اسلام حسنؑ بن علی کو پہونچا دو۔ اور یہ پیغام پہونچا دو کہ عبداللہ قسم دے کر یہ کہتا ہے کہ آپ لڑائی پر آمادہ ہو کر اپنی اور اپنے دوستوں کی ہلاکت میں کوشش نہ کیجیے حضرت کی فوج نے جب اس مکار کا یہ کلام سنا تو خوف غالب آگیا اور حضرت کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ مجبوراً امام حسن علیہ السّلام مدائن لوٹ آئے۔ ابن عامر تو اس موقع کا منتظر تھا ہی اس نے جھٹ شہر کا محاصرہ کر لیا۔

جب حضرت نے دیکھا کہ آپ کے ساتھیوں پر نامردی کا انتہائی غلبہ ہے اور وہ کسی طرح آپ کے ساتھ جنگ کرنے پر تیار نہیں تو مجبوراً آپ نے ابن عامر کے پاس پیغام بھیجا کہ میں صلح کرنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن چند شرطوں کے ساتھ۔ ابو حنیفہ دینوری وغیرہ لکھتے ہیں کہ وہ شرائط حسب ذیل تھیں۔

(۱) معاویہ اہل عراق اور شیعیان حضرت علی کے ساتھ کوئی برا برتاؤ نہ کرے۔
اور ان سے انتقام نہ لے۔
(۲) اہواز کا خراج ہر سال حضرت کو دیتا رہے اور پانچ ہزار درہم سالانہ ان
کو بیت المال کوفہ سے دیا کرے۔
(۳) عطیوں اور صلوں میں بنی ہاشم کو اپنے خاندان پر ترجیح دے۔
(۴) حضرت علی علیہ السّلام پر تبرّا نہ کیا جائے۔
(۵) معاویہ کے بعد خلافت حضرت امام حسن علیہ السّلام کی طرف رجوع کرے
اور اگر وہ وفات پا جائیں تو حضرت امام حسینؑ کو ملے۔

لکھا ہے کہ جب ابن عامر نے یہ شرائط معاویہ کو لکھ کر بھیجیں تو اس نے اور
سب باتیں منظور کر لیں لیکن حضرت علی پر تبرّا بند کرنا گوارا نہ کیا اور کہلا بھیجا کہ میں
صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ جس مجلس میں حسنؑ بن علی موجود ہوں وہاں ایسا نہ ہوگا۔
اس عہد نامہ کو معاویہ نے خود اپنے ہاتھ سے لکھا اور اس پر اپنی مہر لگائی
بہت سے لوگوں کی گواہیاں کرائیں اور عبداللہ ابن عامر کے پاس مدائن میں بھیج
دیا۔ کہ امام حسنؑ کو دکھا کر ان کے دستخط بھی کرالے۔ حضرت امام حسن علیہ السّلام
نے کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر اس صلحنامہ پر دستخط کر دے۔

اس بیان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ زمامِ خلافت کے ہاتھ میں لیتے ہی حضرت
امام حسن علیہ السّلام کیسی مشکلات میں گھر گئے تھے۔ ایک طرف تو معاویہ جیسے
چالاک اور صاحب قوّت دشمن سے مقابلہ۔ دوسری طرف گروہ
خوارج کی فتنہ پردازی۔ تیسری طرف اپنے ساتھیوں کی بزدلی۔
چوتھے مال کی کمی۔

ایسی حالت میں اگر حضرت معاویہ سے صلح کر کے حکومت سے دست
کش نہ ہو جاتے تو کیا کرتے۔!

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ معاویہ حد سے زیادہ چالاک آدمی تھا اس نے بے شمار تدبیریں کر کے مسلمانوں کو حضرتؑ علی اور ان کی اولاد کے خلاف کر دیا تھا جہاں جہاں امام حسن علیہ السّلام کی حکومت تھی۔ معاویہ کے کارپرداز وہاں بغاوت پھیلانے کی کوششیں کر رہے تھے اور ہر طرف سے یہ خبریں آرہی تھیں کہ لوگ حضرت کی بیعت توڑ توڑ کر معاویہ کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں۔ بیرونی مقامات کا کیا ذکر خود کوفہ میں یہ حال تھا کہ گروہ کے گروہ امیر شام کی طرف مائل نظر آرہے تھے۔ معاویہ ممالک اسلامی پر پورا پورا تسلط حاصل کر چکا تھا بڑے عیار اور فتنۂ روزگار لوگ اس کے درباری اور مشیر تھے۔ جس طرح بھی کوئی شکار پھندے میں آسکتا تھا۔ وہ بغیر پکڑے نہ چھوڑتے تھے۔

بے خبر لوگ یہ اعتراض کر دیا کرتے ہیں کہ حضرت امام حسن علیہ السّلام نے معاویہ سے صلح کیوں کی۔ حضرت امام حسین علیہ السّلام کی طرح ان کو بھی جنگ کر کے شہید ہو جانا چاہیئے تھا۔ ایسے لوگ ہمیشہ واقعات کو سطحی نظر سے دیکھا کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہر موقع پر جنگ کرنا ہی نشان دینداری ہے۔ ان کو یہ خبر نہیں کہ خود حضرت رسول خدا نے کفار و مشرکین سے صلح کر لی تھی جو صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے اور اس قدر دب کر صلح کی تھی کہ مسلمان بگڑ اٹھے تھے یہاں تک کہ حضرت عمر نے تو یہ فرما دیا تھا کہ مجھ کو آپ کی رسالت میں آج تک کبھی ایسا شک نہیں ہوا۔ پس کیا یہ اعتراض حضرت رسول خدا پر بھی عاید ہو سکتا ہے۔ آخر انھوں نے جنگ کیوں نہ کی تھی۔ اگر وہاں کفار سے صلح کرنے میں کوئی مصلحت ہو سکتی تھی تو یہاں نام نہاد مسلمان سے صلح کرنے میں وہ مصلحت کیوں برطرف ہو گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السّلام کو چند وجوہ سے صلح کرنی ضرور تھی۔

(۱) آپ کے پاس اتنی فوج نہ تھی کہ معاویہ کے ٹڈی دل لشکر کا مقابلہ کیا جاتا جو لوگ

بظاہر فوج میں نظر آرہے تھے۔ ان کی وفاداری پر کوئی اعتماد نہ تھا۔
(۲) سامان حرب کافی نہ تھا۔
(۳) خزانہ روپیہ سے خالی تھا کیونکہ آمدنی بند ہو گئی تھی۔
(۴) معاویہ تک اسلام کی ظاہری صورت ایسی نہ تھی کہ شرعی نقطہ نظر سے صلح کرنا مضر ہوتا۔ برخلاف یزید کے جو ظاہر بظاہر ایسے فسق وفجور میں مبتلا تھا اور خلاف شریعت وہ وہ کام کرتا تھا جو بدکار سے بدکار آدمی بھی نہیں کرتے۔ اس نے اسی پر بس نہیں کی تھی۔ بلکہ وہ احکام دین میں بھی تصرف کرنے لگا تھا۔ یعنی حرام کو حلال اور حلال کو حرام بتانے لگا تھا۔ احکام آلہی کا مضحکہ اڑاتا تھا۔ شریعت اسلام کو بچوں کا ایک کھیل سمجھتا تھا۔ ایسی حالت میں حضرت امام حسین علیہ السّلام کسی طرح صلح نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن معاویہ کے زمانہ میں چونکہ ایسی حالت نہ تھی اور اس کی بدکاریوں پر اسلام کا ظاہری پردہ پڑا ہوا تھا۔ لہذا شرعاً اس سے صلح کرنے میں کوئی خرابی نہ تھی درصورت جنگ مسلمانوں کی تمام خونریزی کا بار حضرت امام حسن علیہ السّلام پر عائد ہوتا۔

بہرصورت معاویہ نے اس وقت تو تمام شرائط کو منظور کر لیا۔ لیکن اس کے بعد اس نے قطعاً کسی شرط پر عمل نہیں کیا۔ جو وظیفہ معین کیا گیا تھا۔ اس نے ایک سال بھی ادا نہ کیا۔ اپنے بعد یزید کو اپنا جانشین بنا گیا۔ حالانکہ وہ حق امام حسین علیہ السّلام کا تھا۔ دوستداران اہل بیت کے قتل سے وہ ایک دن نہیں رکا۔ چنانچہ روضۃ الصفا میں مرقوم ہے۔ حجر ابن عدی اور تقریباً پچاس ان کے ساتھیوں کو معاویہ نے محض اس جرم پر قتل کرا دیا۔ کہ وہ دوستی علی کا دم بھرتے اور برسر منبر ان جناب پر تبرا کرنے سے رکتے تھے۔

۱۹۔ شہادت امام حسنؑ

خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد امام حسن علیہ السّلام تقریباً چھ سال زندہ رہے۔ یہ تمام زمانہ آپ نے خانہ نشینی میں گزارا۔ کوفہ کی سکونت ترک کر کے آپ مدینہ آ گئے تھے۔ یہاں سے آپ نے کئی حج پاپیادہ کیے۔

باوجودیکہ آپ نے سلطنت سے ترک تعلق کر لیا تھا۔ لیکن معاویہ کو اس پر بھی چین نہ تھا۔ اس کے دل میں یہ کھٹکا لگا ہوا تھا کہ اگر امام حسنؑ سے پہلے مجھے موت آ گئی تو یہ سلطنت ان کی طرف عود کر جائے گی اور میرا بیٹا اس سے محروم ہو جائے گا۔ اس لیے وہ رات دن اس فکر میں تھا۔ کہ موقع ملے تو امام حسنؑ کو قتل کرا دے۔

حضرت نے کوفہ میں ایک عورت سے شادی کی تھی۔ جس کا نام جعدہ بنت اشعث تھا۔ یہ حضرت ابوبکر کی بہن اُم فروہ کی بیٹی تھی۔ معاویہ نے توڑ جوڑ لگا کر اس سے سازش کی اور یہ وعدہ کیا کہ اگر وہ امام حسن کو زہر دے دے تو ایک لاکھ درہم اس کو انعام دے گا۔ اور اپنے بیٹے یزید سے اس کا نکاح کرا دے گا۔ جعدہ معاویہ کی اس چال میں آ گئی اور ایک رات کو نہایت ہی قاتل زہر جو معاویہ کے پاس سے آیا ہوا تھا حضرت کے کھانے میں ملا دیا کھانا کھاتے ہی تمام بدن پر زہر کا اثر دوڑ گیا۔ خون کی قے آنے لگی۔ کئی طشت بھر بھر کر اٹھائے گئے۔ زہر کے اثر سے تمام بدن پر سیاہی دوڑ گئی تھی اور حضرت کی حالت ساعت بساعت سقیم ہوتی چلی جاتی تھی۔ گھر میں ایک حشر برپا تھا۔ بھائی بہنیں اور ساری اولاد آپ کو گھیرے ہوئے تھیں

لے روضۃ الصفا کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کو چھ بار زہر دیا گیا۔ ۱۲۔

حضرت امام حسنؑ ایک ایک کو حسرت بھری نظر سے دیکھتے اور صبر کی تعلیم دیتے تھے۔
آپ نے حضرت امام حسین علیہ السّلام سے فرمایا یوں تو زہر مجھ کو کئی بار دیا گیا ہے۔ لیکن ایسا قاتل زہر ایک بھی نہ تھا۔ اس نے تو میرے جگر کے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اب میں بچ نہیں سکتا عنقریب میں تم سے جدا ہونے والا ہوں۔ امام حسین علیہ السّلام نے پوچھا یہ تو بتائیے کہ یہ زہر آپ کو دیا کس نے ہے؟ تاکہ میں اس خون ناحق کا اُس سے بدلہ لوں۔ فرمایا جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ نام بتانے سے کیا فائدہ۔ میں جانتا ہوں کہ میرا اصلی قاتل کون ہے۔ لیکن سوائے صبر چارہ نہیں اگر زہر دینے والے سے تم نے بدلہ لے بھی لیا تو اس قتل کا بانی مبانی تو اپنی سزا کو نہ پہونچے گا۔ اس کے علاوہ قاتل سے بدلہ لینے میں بہت سے مفسدے پیدا ہو جائیں گے۔ اور میرے ساتھ تمھاری جان بھی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ بہر حال میری آرزو یہ ہے کہ اپنے نانا کے پاس دفن ہوں۔ لہٰذا تم نانی عائشہ کے پاس جاؤ اور ان سے قبر رسولؐ کے پاس میری قبر بننے کی اجازت مانگو۔

امام حسین علیہ السّلام اس حکم کی تعمیل میں حضرت عائشہ کے پاس پہونچے اور حضرت کی خواہش کو بیان کیا۔ انھوں نے اجازت دے دی۔ جب امام حسین علیہ السّلام واپس آئے اور اس اجازت کا حال بیان کیا تو آپ نے فرمایا۔ ہاں اس وقت تو انھوں نے اجازت دے دی ہے۔ لیکن وہ اپنی اس بات پر قائم نہ رہیں گی۔

جس وقت مروان وغیرہ کو خبر ہو گی وہ ہرگز اس امر پر راضی نہ ہوں گے اور زور دے کر عائشہ کو بھی اپنا ہم خیال بنالیں گے۔ بہر حال تم کو چاہیئے کہ میرے انتقال کے بعد پھر ایک مرتبہ عائشہ کے پاس جانا۔ اگر وہ اپنے قول پر قائم ہوں تب تو جوار رسولؐ میں دفن کر دینا ورنہ جنت البقیع میں

امید زیست تو پہلے ہی روز منقطع ہو چکی تھی۔ چار روز بھی نہ معلوم کیونکر
گزر گئے۔ حضرت کا ضعف انتہا کو پہونچ گیا تھا۔ بات کرنا دشوار تھی۔ آخر ۲۸ ماہ صفر
۴۹ھ روز پنجشنبہ ۴۶ یا ۴۷ سال کی عمر میں آپ اس جہان فانی سے رحلت کر گئے
الغرض امام حسن علیہ السّلام کی وصیت کی بناء پر امام حسین علیہ السّلام ام المومنین
کے پاس گئے اور موت کا حال بیان کر کے پھر روضۂ رسول میں دفن ہونے کی
اجازت مانگی۔ انھوں نے کہا مجھے تو کوئی انکار نہیں۔ لیکن بنی امیہ اس کو پسند
نہیں کرتے۔ مروان کہتا ہے کہ اگر ایسا ہوگا تو ہمارے اور بنی ہاشم کے
درمیان تلوار چل جائے گی۔ لہذا مصلحت وقت پر نظر رکھ کر میں بھی یہی مناسب
سمجھتی ہوں کہ حسنؑ کو وہاں دفن نہ کیا۔

امام حسین علیہ السّلام کو یہ سُن کر حد درجہ ملال ہوا آپ نے فرمایا۔ بنی اُمیہ
کو اس معاملہ سے کیا تعلق۔ وہ بھلا روکنے والے کون؟ خدا کی شان اب
ان کی دست درازیاں یہاں تک پہونچ گئیں کہ نانا کی قبر کے پاس نواسے کو
دفن بھی نہیں ہونے دیتے۔ اگر وہ بے وجہ آمادہ پیکار ہیں تو ہم بھی دیکھیں وہ
کیوں کر روکتے ہیں۔ ابھی بنی ہاشم کی تلواروں پر دھار اور ہمت میں زور باقی
ہیں۔ کیا ذوالفقار علی کی کاٹ وہ بھول گئے گیا جمل و صفین کے معرکے
انھیں یاد نہیں رہے۔

یہ کہکر حضرت وہاں سے چلے آئے اور اپنے خاندان والوں کو حکم دیا۔ کہ
سلاح جنگ سے آراستہ ہو کر جنازہ لے چلیں۔ اگر بنی امیہ مانع آئیں تو پھر
بے تامل ان سے جنگ کریں۔ جب مروان کو یہ خبر ہوئی تو وہ اپنے ساتھ بہت
سے مسلح آدمیوں کو لے کر مزاحمت کے لیے آموجود ہوا۔ جب امام حسین علیہ السّلام نے
اپنے مظلوم بھائی کا جنازہ لے کر چلے تو بنی امیہ نے آپ کے ساتھیوں پر تیر برسانے
شروع کیے۔ ان میں سے کئی تیر امام بے کس کی میت پر بھی لگے۔

اس موقع پر اُم المومنین حضرت عائشہ بھی اپنے خچر پر سوار ہو کر نکل آئی تھیں
چنانچہ صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں:۔

"دفن سے پہلے جب عائشہ کو یہ حال معلوم ہوا تو اپنے خچر پر سوار
ہو کر اُس مقام پر پہونچیں اور وہاں دفن ہونے سے روکنے لگیں۔
شیعیان امیر المومنین ؑ نے اس پر شور و غل مچانا شروع کیا اور کہا
اے عائشہ ایک دن وہ تھا کہ تم اونٹ پر سوار ہو کر لڑنے نکلی تھیں۔
اور آج خچر پر سوار ہو کر نواسۂ رسول کو پہلوئے رسول میں دفن ہونے
سے روک رہی ہو۔ لیکن ان کی اس بات کا عائشہ پر کوئی
اثر نہ ہوا"

جوانان بنی ہاشم اس موقع پر بگڑ گئے قریب تھا کہ تلوار چل جائے۔ لیکن
کچھ اصحاب درمیان میں آگئے اور امام حسین علیہ السّلام کے قدموں پر گر کر یہ
عرض کی۔ فرزند رسول آپ صابر و شاکر ہیں۔ جہاں آپ نے بہت سے مصائب
بنی امیہ کے برداشت کیے ہیں یہ بھی کیجیے۔

امام حسین علیہ السّلام یہ سن کر خاموش ہو گئے اور اس خیال کو ترک کر کے
جنازہ کو جنت البقیع کی طرف لے چلے۔ اس وقت فرزند رسول پر رنج و غم کا وہ
ہجوم تھا کہ دنیا نظر میں تیرہ و تار تھی۔ نہ معلوم کیا کیا خیالات دماغ میں
آرہے ہوں گے۔

امام حسنؑ جیسے بھائی کی موت اور وہ بھی اس شان کی موت کہ خدا کسی
بھائی کو نہ دکھائے۔ بجائے خود ایک غم کا پہاڑ تھی۔ لیکن افسوس زمانہ نے
اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ حسینؑ کے شکستہ دل پر مصائب و آلام کے اور بے
شمار آسمان ٹوٹ پڑے۔ بہر حال جنت البقیع میں پہونچ کر آپ نے اپنے پیارے
بھائی کی میت کو اپنی دادی فاطمہ بنت اسد کی قبر کے پاس دفن کیا اور آہ سرد

بھرتے ہوئے وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

کیا انسانی دنیا میں ایسے وحشیانہ برتاؤ کی کوئی اور مثال مل سکتی ہے۔؟ حقیقت یہ ہے کہ بنی امیہ انسانی جامہ میں خونخوار درندے تھے۔ انھوں نے بنی ہاشم کی تذلیل و تحقیر میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ حضرت رسول خدا چونکہ اس خاندان کی افتاد طبیعت سے اچھی طرح واقف تھے اس لیے کبھی ان کو سر اٹھانے کا موقع ہی نہیں دیا۔ لیکن خدا بھلا کرے۔ حضرت عمرؓ کا کہ انھوں نے ان سانپوں کو دودھ پلا پلا کر خاندان رسول کے ڈسنے کے لیے تیار کر دیا۔

۲۰۔ اولاد و ازواج امام حسنؑ

حضرت امام حسن علیہ السّلام کے پندرہ صاحبزادے ہوئے اور ایک صاحب زادی۔

(۱) عبداللہ، عمرؒ، قاسمؒ۔ ان کی والدہ کا نام اُم فروہ تھا۔
(۲) حسینؒ الاثرم اور حسنؒ۔ ان کی والدہ کا نام خولہ تھا۔
(۳) عقیلؒ اور حسنؒ۔ ان کی والدہ کا نام اُم بشیر بنت ابومسعود تھا۔
(۴) زیدؒ و عمرؒ۔ ان کی والدہ ثقفیہ تھیں۔
(۵) عبدالرحمن۔ ان کی والدہ کا نام اُم ولد تھا۔
(۶) طلحہ اور ابوبکرؒ۔ ان کی والدہ اُم اسحاق بنت طلحہ تیمی تھیں۔
(۷) احمد و اسمٰعیل و حسنؒ اصغر۔ ان کی والدہ کا نام اُم الحسن تھا۔
(۸) فاطمہ۔ ان کی والدہ کا نام اُم اسحاق تھا۔

کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے ساتھ عبداللہ، قاسم اور ابوبکر تین بیٹوں نے شہادت پائی اور زید بن الحسن اور حسن ابن الحسن باقی رہے انہی سے حضرت کی نسل چلی (ارجح المطالب) باقی اولاد کمسنی میں وفات پا گئی تھی (سیرت الحسن علی مازندرانی)

۲۱۔ خبر شہادت امام حسنؑ اور معاویہ کی خوشی

عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ میں مسجد شام میں تھا کہ ناگہاں معاویہ نے تکبیر بلند کی اور قصر اخضر کے لوگ بھی تکبیر کہنے لگے۔ ان کی آواز سُن کر فاختہ بنت قرطہ اپنی کھڑکی سے باہر نکلیں اور کہا۔ اے امیر! خدا تجھ کو خوش رکھے کون سی خبر ایسی ملی کہ اس خوشی کا باعث ہوئی۔ معاویہ نے کہا میں حسن بن علی کے مرنے کی خبر سُن کر خوش ہوا ہوں۔ فاختہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر رونے لگیں اور کہنے لگیں افسوس ہے کہ مسلمانوں کا سردار اور خدا کے رسول کی بیٹی کا بیٹا مر گیا اور تم خوش ہو۔

معاویہ نے کہا۔ ہاں قسم ہے خدا کی وہ اسی کا اہل تھا جو میں نے اس کے ساتھ کیا ہے۔ وہ ہرگز اس کا اہل نہیں کہ کوئی اُس پر روئے۔

یہ خبر ابن عباس تک بھی پہونچی وہ تھوڑی دیر کے بعد معاویہ کے پاس گئے معاویہ نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسنؑ بن علیؑ کا انتقال ہو گیا۔ ابن عباس نے کہا۔ کیا تم نے اسی پر تکبیر کی آواز بلند کی تھی۔؟

اس نے کہا "ہاں" ابن عباس نے جواب دیا۔ اگر وہ مر گئے تو تم بھی باقی رہنے والے نہیں۔ ہمارے مرنے والے تو جنت میں سید المرسلین اور امام المتقین کے پاس پہونچ جاتے ہیں۔ جس سے ہمارے زخموں کا اندمال ہو جاتا ہے لیکن تمہارے لئے کوئی ایسا سہارا نہیں۔ پس تم کو اپنا ٹھکانا سوچ لینا چاہیے۔ معاویہ نے کہا۔ اے ابن عباس میں نے جب کبھی تم سے گفتگو کی تم نے ایسی ہی جلی کٹی بات کہی۔

(دار حج المطالب)

امام رضا علیہ السّلام سے منقول ہے کہ عمر کے سامنے ایک شخص کو لایا گیا جس کے ہاتھ میں خون بھری چھری تھی اور پکڑ کر لانے والوں نے یہ ظاہر کیا۔ کہ فلاں خرابے میں ایک شخص کا سر کٹا ہوا پڑا ہے۔ ہم نے اس قاتل کو اس کے پاس کھڑا دیکھا تھا۔ عمر نے اس سے پوچھا کیا تم اس کے قاتل ہو۔ اس نے اقرار کیا۔ عمر نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ تھوڑی دیر میں ایک شخص اور آیا اور کہنے لگا۔ اسے چھوڑ دیجئے۔ یہ بے گناہ ہے اس مقتول کا قاتل میں ہوں۔

یہ سن کر عمر حیران ہوئے کہ کیا ماجرا ہے۔ جب کوئی بات سمجھ میں نہ آئی تو اس قضیہ کو امیر المومنین علیہ السّلام کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ نے پہلے شخص سے پوچھا کہ کیا تم نے اُس شخص کو قتل کیا ہے؟ اس نے کہا۔ امیر المومنین اصلی معاملہ یہ ہے کہ میں ایک قصاب ہوں۔ ایک مقام پر بکری ذبح کر رہا تھا کہ مجھے پیشاب کی حاجت ہوئی۔ خون بھری چھری لے کر استنجا کرنے کے لیے اس خرابہ میں چلا گیا وہاں ایک شخص کو مقتول پایا۔ میں اُسے دیکھ ہی رہا تھا کہ کچھ لوگ پہونچے اور گرفتار کر لیا۔ جب خلیفہ کے سامنے پہونچا تو میں نے اس وجہ سے اقرار کر لیا کہ قتل کرنے کے تمام قرائن پائے جا رہے ہیں میرا انکار کون سنے گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس کو قتل کیا نہیں۔ اب آپ نے دوسرے شخص سے پوچھا کہ کیا تم اس کے قاتل ہو۔ اُس نے کہا۔ ہاں، میں چاہتا تھا کہ کہیں ایسی جگہ بھاگ جاؤں کہ کسی کو میرا پتہ ہی نہ چلے۔ لیکن جب یہ دیکھا کہ ایک بے گناہ اس جرم میں ماخوذ ہے۔

لہٰذا میری حمیت نے گوارا نہ کیا کہ میں اصلی قاتل تو بچ جاؤں اور ناکردہ گناہ قتل کر دیا جائے۔ اس بناء پر میں نے اقرار کر لیا۔ حضرت نے امام حسن علیہ السّلام سے فرمایا بیٹا! تم اس کا فیصلہ کرو۔ آپ نے فرمایا ان دونوں کو چھوڑ دینا چاہیے اور اس مقتول کا خون بہا بیت المال سے

دیا جائے۔ پوچھا۔ کیوں؟ کہا اس لیے کہ ایک تو بے گناہ ہے اور دوسرا اس لیے چھوڑ دینے کے قابل ہے کہ اس نے ایک بے گناہ کی جان بچائی۔ اور خدا فرماتا ہے من احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا (جس نے ایک نفس کو زندہ کیا اُس نے گویا کل آدمیوں کو زندہ کیا)

ایک شامی نے امام حسن علیہ السّلام سے پوچھا کہ ایمان و یقین کے درمیان کتنا فرق ہے فرمایا چار اُنگل۔ اس نے کہا۔ کیسے؟ فرمایا۔ جو کانوں سے سنا وہ ایمان ہے اور جو آنکھوں سے دیکھ لیا وہ یقین ہے اس نے پوچھا۔ آسمان و زمین کے درمیان کتنا فرق ہے؟ فرمایا۔ نگاہ کی لمبائی بھر۔ پھر اس نے پوچھا۔ مشرق و مغرب کے درمیان کتنا فرق ہے؟ فرمایا۔ سورج کی ایک دن کی رفتار۔

بادشاہ روم نے معاویہ سے دو باتیں دریافت کیں۔ (۱) وہ کون سا مکان ہے جو وسط سما میں ہے (۲) وہ کون سی جگہ ہے جہاں ایک بار سورج چمکا ہے معاویہ بے چارہ ان باتوں کا کیا جواب دیتا۔ اس نے امام حسن ؑ سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا جو مکان وسط آسمان میں ہے وہ پشت کعبہ ہے اور وہ جگہ جس پر سورج ایک ہی بار چمکا ہے دریائے نیل کا وہ مقام ہے جو حضرت موسیٰ کے عصا مارنے کے بعد کھل گیا تھا۔

۲۔ زہد و خوف خدا

حضرت امام حسن علیہ السّلام نے تین مرتبہ اپنا کُل مال راہِ خدا میں لٹایا اور دو دفعہ اپنا آدھا مال بخشا۔

جب امام حسن علیہ السّلام وضو کرتے تھے تو آپ کے بدن کا جوڑ جوڑ کانپنے لگتا تھا اور چہرے کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا۔ جب حضرت سے اس کا

سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ جو شخص اپنے معبود جلیل کے سامنے کھڑا ہو اس کا یہی حال ہونا چاہیئے۔

جب حضرت دروازۂ مسجد پر پہونچتے تھے تو آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہتے تھے الٰہی! تیرا مہمان، تیرے دروازے پر ہے۔ اے احسان کرنے والے گنہگار تیرے پاس آیا ہے تو اس کی خطاؤں سے درگزر فرما۔

۳۔ سخاوت

ایک بار ایک شخص نے امام حسن علیہ السّلام سے پچاس ہزار درہم مانگے آپ نے اس کو عطا فرمائے اور کہا۔ حمال کو لے آ کہ اٹھا کر لے جائے جب حمال آیا تو آپ نے اپنا جبہ اُتار کر اسے دے دیا اور فرمایا مزدوری بھی ہماری طرف سے ہونی چاہیئے۔

ایک بار ایک شخص نے امام حسن علیہ السّلام سے کچھ مانگا۔ آپ نے اپنے وکیل کو بلا کر پوچھا کہ ہمارے آمد و خرچ میں کتنی رقم فاضل ہے اس نے کہا۔ پچاس ہزار درہم ہے۔ فرمایا۔ یہ سب اس سائل کو دیدے۔

ایک روز کچھ لوگوں نے امام حسن علیہ السّلام سے کہا۔ یہ کیا بات ہے کہ آپ فاقہ کی حالت میں بھی کسی سائل کو رد نہیں کرتے۔ فرمایا۔ میں خدا کی درگاہ کا سائل ہوں۔

پس مجھے حیا آتی ہے کہ سائل ہو کر سائل کو رد کر دوں۔ خدا نے اپنی نعمتوں کو مجھ پر جاری کیا ہے اور میں اس کی نعمتوں کو اس کی مخلوق تک پہونچاتا ہوں۔

اگر میں اس کام کو روک دوں تو ڈرتا ہوں کہیں خدا بھی اپنی نعمتوں کا سلسلہ منقطع نہ کر دے۔

۴۔ تواضع

امام حسن علیہ السّلام ایک بار چند لڑکوں کی طرف سے گذرے ان کے پاس روٹیوں کے ٹکڑے تھے۔ لڑکوں نے آپ سے کھانے میں شرکت کی خواہش کی۔ آپ گھوڑے پر سے اُترے اور اُن کے ساتھ کھانے کو بیٹھ گئے۔

پھر اُن کو ساتھ لے کر اپنے گھر آئے اور سب کو نئے کپڑے پہنائے۔ ایک ایک مٹھی درہم دئیے اور فرمایا۔ ان کے احسان کا بدلہ اب بھی نہیں ہو سکا۔ کیونکہ انھوں نے مجھے وہ کھلایا تھا جس کے سوا ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا اور میں نے ان کو جو کچھ دیا ہے اس کے سوا بھی میرے پاس ہے۔

۵۔ توکل

ایک بار امام حسن علیہ السّلام نے سنا کہ ابوذر کہتے ہیں۔ تونگری سے میرے نزدیک فقیری بہتر ہے اور صحت سے بیماری۔ فرمایا۔ خدا ابوذر پر رحم کرے میں تو یہ کہتا ہوں کہ جس نے خدا کی مرضی پر توکل کر لیا ہو وہ خدا کے اختیار کیے ہوئے امر پر کیوں دوسری چیز اختیار کرے۔

۶۔ حلم

عمیر ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مروان مدینہ میں ہم پر حکمراں تھا۔ اور وہ ہر جمعہ کو منبر پر بیٹھ کر جناب امیر علیہ السّلام پر سب وشتم کیا کرتا تھا۔ جناب امام حسن علیہ السّلام کو یہ خبر پہونچتی تھی۔ اور آپ کچھ جواب نہ دیتے تھے۔ ایک بار اس نے کسی کے ذریعہ سے آپ کو کچھ سخت باتیں کہلا بھیجیں۔ آپ نے فرمایا تو اس سے جا کر کہہ دینا کہ ہم تیری کسی بات

کو نہیں بھولے۔ تیرے اور ہمارے درمیان انصاف کرنے والا خدا ہے۔ اگر تو سچ کہہ رہا ہے تو خدا تجھ کو جزا دے گا۔ اور اگر جھوٹ بک رہا ہے تو خدا کا عذاب بہت سخت ہے۔

عمیر ابن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے امام حسن علیہ السّلام کی زبان سے کبھی کوئی فحش کلمہ سنا ہی نہیں۔ ایک دفعہ ان سے اور عمرو بن عثمان سے ایک زمین کی نسبت جھگڑا تھا۔ حضرت نے ایک امر پیش کیا۔ عمرو اس پر راضی نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ ہمارے پاس کی ناک پر مٹی ڈالنے کے سوا کچھ نہیں۔ گویا یہ بہت سخت کلمہ تھا۔ جو حضرت نے اپنی زبان پر جاری کیا۔

ایک شامی نے جب آپ کو گھوڑے پر سوار دیکھا تو لعنت کرنے لگا۔ حضرت نے حلم سے کام لیا۔ اور اس کی بدگوئی کا کوئی جواب نہ دیا۔ جب وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال چکا تو آپ نے اُس سے فرمایا۔ اے شخص! اگر تو محتاج ہو تو ہم تجھ کو کچھ دیں۔ اگر راستہ بھول گیا ہو تو ہدایت کر دیں۔ اگر سواری درکار ہو تو سواری دے دیں۔ اگر بھوکا ہو تو کھانا کھلا دیں۔ کپڑے کی ضرورت ہو تو کپڑا دے دیں۔ مفلس ہو تو غنی کر دیں۔ مہمان ہو تو روانگی کے وقت تیری خاطر تواضع کریں۔

یہ باتیں سن کر وہ رو دیا اور کہنے لگا۔ آج میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ خدا کے برحق خلیفہ ہیں۔ آپ اور آپ کے پدر بزرگوار سے میں بہت ہی زیادہ بغض رکھتا تھا۔ لیکن اب آپ سے زیادہ میرے نزدیک کوئی محبوب نہیں۔

۷۔ عبادت

حضرت امام حسن علیہ السّلام نے پچیس حج پا پیادہ کیے۔ آپ فرمایا

کرتے تھے۔ مجھے حیا آتی ہے کہ میں اپنے معبود سے ایسی حالت میں ملوں کہ اس گھر تک پا پیادہ نہ جا سکا ہوں۔

ایک بار آپ پا پیادہ حج کو تشریف لیے جاتے تھے اور سواری آپ کے ساتھ ساتھ تھی۔ جب چلتے چلتے آپ کے پیروں پر درم آگیا تو کسی نے کہا فرزندِ رسول جب سواری ساتھ ہے تو آپ سوار ہو کر کیوں نہیں جاتے۔ فرمایا میں نے سواری اپنے لیے ساتھ نہیں لی ہے۔ بلکہ اس لیے کہ اگر کوئی راہگیر راستہ میں تھک جائے تو اس کو سوار کر لوں۔

امام حسن علیہ السّلام روزہ بہت رکھتے تھے۔ سال کے اکثر دن آپ کو حالت صوم ہی میں گزرتے تھے۔ نماز کا یہ حال تھا۔ کہ رات کا بیشتر حصہ عبادت الٰہی میں بسر ہوتا تھا اور بڑے الحاح وزاری کے ساتھ خدا کی درگاہ میں استغفار کیا کرتے تھے۔

۸۔ لباس

امام حسن علیہ السّلام بہت موٹا لباس پہنتے تھے۔ جس میں جا بجا پیوند لگے ہوتے تھے۔

ایک روز آپ اچھا لباس پہنے کہیں تشریف لیے جا رہے تھے کہ ایک یہودی راستہ میں ملا۔ اس نے کہا۔ آپ کے نانا کا قول ہے کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے۔ اور کافر کے لیے جنت ہے۔ لیکن میں تو اس کے برعکس دیکھ رہا ہوں آپ کے جسم پر قیمتی لباس ہے۔ اور میرے بدن پر نہایت بوسیدہ۔ فرمایا میرے جدِ نامدار نے بالکل صحیح فرمایا ہے جنت میں ہمارے لیے جو جو راحتیں ہوں گی۔ ان کے مقابل دنیا کی نعمتیں ہیچ ہیں اور دنیا ہمارے لیے قید خانہ کی مانند ہے اور دوزخ میں جو عذاب

تم پر ہوگا۔ ان کے مقابل یہ دنیا تمھارے لیے جنت ہے۔

۹۔ مہمان نوازی

امام حسن علیہ السّلام بڑے مہمان نواز تھے اور آپ کا دسترخوان بہت وسیع تھا روزمرّہ فقراء و مساکین، مسافر اور یتیم آپ کے دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے۔ حتی الامکان مہمانوں کے لیے بہترین کھانا پکتا تھا لیکن خود اس میں سے کچھ نہ کھاتے تھے۔ آپ کی غذا وہی جو کی روٹی اور نمک تھا۔

ایک دن ایک شخص آپ کا مہمان ہوا۔ غلام کو حکم دیا۔ دسترخوان تیار کر جب وہ بیٹھا تو امام حسن علیہ السّلام نے دیکھا کہ ایک لقمہ کھاتا ہے اور ایک اپنے پہلو میں رکھتا جاتا ہے۔ فرمایا۔ اے شخص معلوم ہوتا ہے کہ تو صاحب عیال ہے۔ لیکن اطمینان سے کھالے۔ یہاں خدا کے فضل سے کھانا کافی ہے۔ جس قدر درکار ہوگا تیرے ساتھ کر دیا جائے گا۔ اس نے کہا میں تو مسافر ہوں۔ اہل و عیال ساتھ نہیں رکھتا۔ البتہ مسجد میں ایک درویش کو دیکھ آیا ہوں۔ جو بھوکی ملا ہوا جو کا آٹا پھانک رہا تھا۔ میں اس کے لیے رکھتا جاتا ہوں آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا۔ اے شخص ان کو درویش نہ سمجھ وہ ہمارے پدر بزرگوار امیرالمومنین علی بن ابی طالب ہیں انھوں نے دنیا کو ترک کر دیا ہے۔

۱۰۔ غریبوں پر شفقت

اپنی خلافت کے زمانہ میں امام حسن علیہ السّلام کا یہ معمول تھا۔ کہ جب تک لوگ آپ کو اطمینان نہ دلا دیتے تھے کہ ہمسایہ میں کوئی محتاج، کوئی یتیم اور کوئی بیوہ بھوکی نہیں تب تک آپ کھانا نہ کھاتے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا۔

کہ آپ نے کھانا شروع کیا ہے اور سائل نے سوال کیا فوراً اس کھانے کو سامنے سے اٹھا دیا اور خود فاقہ سے رہے۔

۱۱۔ احسان شناسی

ایک کنیز نے حضرت امام حسنؑ کو ایک پھولوں کا گلدستہ بطور تحفہ پیش کیا۔ آپ نے اس کو لے کر فرمایا۔ جا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کیا کسی نے پوچھا اس کا سبب کیا ہے؟ فرمایا خدا فرماتا ہے "جب تمہیں کوئی ہدیہ دے تو تم اس سے بہتر ہدیہ دو" اور اس کے لیے آزادی سے بہتر اور کیا تحفہ ہو سکتا ہے۔

۱۲۔ ہمت

ایک بار معاویہ مدینہ آیا اور اس نے یہ قرار دیا کہ جو مجھ سے ملنے آئے گا۔ میں اسے پچاس ہزار سے لے کر ایک لاکھ دینار تک دوں گا۔ لوگ جاتے رہے اور رقمیں پاتے رہے۔ امام حسن علیہ السّلام سب سے آخر میں پہونچے۔

معاویہ نے کہا۔ آپ نے اس لیے تاخیر کی کہ میرا خزانہ ختم ہو جائے تو آپ مجھے بخیل مشہور کریں۔ پھر اپنے غلام سے کہا۔ اچھا جتنی رقم اب تک تقسیم ہو چکی ہے۔ وہ حسن بن علی کو دے دے تاکہ یہ جان لیں کہ میں ہند کا بیٹا ہوں۔ امام حسنؑ نے فرمایا مجھے ایک حبہ کی حاجت نہیں۔ میں فاطمہ بنت محمدؐ کا بیٹا ہوں۔ ہماری سی ہمت تجھ میں کہاں۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ معاویہ کے غلام نے آپ کا جوتا سامنے لا کر رکھا تو آپ نے وہ سب رقم اس کو عطا فرما دی۔

۱۳۔ پُرحکمت باتیں

(۱) جس کے پاس عقل نہیں اس کے پاس ادب نہیں۔ جس کے پاس ہمت نہیں۔ اس کے پاس کامیابی نہیں۔ جس کے پاس دین نہیں۔ اس کے پاس حیا نہیں۔

۲۔ تین باتیں آدمی کو ہلاک کرتی ہیں۔ تکبر۔ حرص۔ حسد۔ تکبر سے دین جاتا ہے۔ دیکھو شیطان اسی سے ملعون بنا۔ حرص سے آدمی مصیبت میں پڑتا ہے۔ جیسے آدم جنت سے نکالے گئے۔ حسد عداوت کو کھینچتا ہے جیسے قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔

۳۔ اپنا علم دوسروں کو سکھاؤ اور دوسروں کا علم خود سیکھو۔ کہ اس صورت میں جو دوسرے نہ جانتے ہوں گے وہ تم سکھاؤ گے اور جو تم نہ جانتے ہو گے وہ دوسروں سے سیکھ لو گے۔

۴۔ کسی نے پوچھا خموشی کیا ہے؟ فرمایا عیب کا چھپانا اور آبرو کی زینت برقرار رکھنا۔ خموشی اختیار کرنے والا، راحت میں رہتا ہے اور اس کا ہم نشین امن و اماں میں۔

۵۔ کوئی کسی کے پاس نہیں جاتا۔ مگر چند باتوں سے یا بخشش کی اُمید میں یا سزا کے خوف میں یا علمی فائدے کے خیال سے یا برکت دُعا کی امید میں یا اپنے اور اس کے درمیان صلۂ رحم قائم رکھنے کے لیے۔

۶۔ حاسد ایسا ظالم ہے جو مظلوم سے مشابہ ہے۔

۷۔ قناعت اور رضا۔ عطا کرنے سے زیادہ بڑی ہے۔

۸۔ جس کی ابتدا اچھی، اُس کا انجام اچھا۔

۹۔ ظلم پر غصہ نہ آنا ذلت ہے۔ نعمت کا شکر ادا نہ کرنا ملامت ہے۔

۱۰۔ عقل کا نشان یہ ہے کہ لوگوں سے نیکی کی جائے اور دین اور دنیا کو سنبھالا جائے۔

ایک روز امیر المومنین حضرت علی علیہ السّلام نے امام حسن علیہ السّلام سے حسب ذیل سوالات کیے۔ آپ نے جو کچھ ان کے جوابات دیئے وہ یہ ہیں۔

۱۔ نیکی کیا ہے؟ برائی کا بدلہ احسان سے دینا۔

۲۔ شرافت کیا ہے؟ قبیلہ سے نیکی کرنا اور سختی کو برداشت کرنا۔

۳۔ مروّت کیا ہے؟ پرہیز گاری اور پاک دامنی اور اصلاح مال۔

۴۔ جواں مردی کیا ہے؟ خرچ کرنا خوش حالی و تنگی میں۔

۵۔ بدبختی کیا ہے؟ جو ہاتھ آئے اُسے فضول کاموں میں خرچ کرنا۔

۶۔ مواخات کیا ہے؟ سختی اور خوش حالی دونوں میں مدد کرنا۔

۷۔ نامردی کیا ہے؟ سچ کے خلاف کہنا اور دشمن سے ایذا اٹھانا۔

۸۔ غنیمت کیا ہے؟ پرہیزگاری طرف رغبت کرنا اور دنیا کو ترک کرنا۔

۹۔ حکمت کیا ہے؟ غصہ کا پینا اور نفس پر قابو پانا۔

۱۰۔ مالداری کیا ہے؟ قسمت الٰہی پر اپنے نفس کو راضی کرنا چاہیئے۔ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔

۱۱۔ فقیری کیا ہے؟ ہر شے کی طرف نفس کا حریص ہونا۔

۱۲۔ ذلت کیا ہے؟ صدمہ سے ڈرنا۔

۱۳۔ جرأت کیا ہے؟ اپنے احباب سے موافقت کرنا۔

۱۴۔ کلفت کیا ہے؟ ایسے شخص سے سوال کرنا۔ جسے تمہارے کلام سننے کی پرواہ نہ ہو۔

۱۵۔ بزرگی کیا ہے؟ ارادہ کی پختگی اور جرم کی معافی۔

۱۶۔ روشن دلی کیا ہے؟ نیکی کا کرنا اور بُرائی کا چھوڑنا۔

۱۷۔ عقل مندی کیا ہے؟ حلم اختیار کرنا۔ اور حکام سے بہ نرمی پیش آنا۔

۱۸۔ حماقت کیا ہے؟ کمینوں کا اتباع کرنا۔ اور گمراہوں کی مصاحبت اختیار کرنا۔

۱۹۔ غفلت کیا ہے؟ مسجد کا ترک کرنا اور مفسد کی اطاعت کرنا۔

۱۴۔ امام حسنؑ کے مواعظ

اے بنی آدم! حرام باتوں سے بچو عابد بن جاؤ گے قسمت خدا پر راضی ہو جاؤ غنی ہو جاؤ گے۔ پڑوسی کے ساتھ احسان کرو مسلمان بن جاؤ گے۔ جو لوگ تمہارے دوست بننا چاہتے ہیں۔ ان کے دوست بنو عادل کہلاؤ گے۔ تمہارے سامنے ایک ایسی قوم ہے جو ان کو بہ کثرت جمع کرتی ہے۔ مضبوط مکان بناتی ہے۔ لمبی لمبی اُمیدیں کرتی ہے۔ یہ جلد ہلاک ہونے والے لوگ ہیں۔ ان کا عمل سراسر غرور ہے۔ قبریں ان کا مسکن بننے کے لیے انتظار کر رہی ہیں۔

اے بنی آدم! جب سے تم اپنی ماں کے پیٹ سے جدا ہوئے ہو۔ تمہاری عمر برابر گھٹتی جا رہی ہے۔ پس جو کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے اس سے کسی کی مدد کر جاؤ۔ مومن وہی ہے جو زادِ آخرت مہیا کرے اور کافر وہ ہے جو دنیا کے مزے اُڑانے میں مشغول رہے سب سے بہتر زادِ راہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

۱۵۔ امام حسن علیہ السلام کا فخر

میں ایک ایسے درخت کی شاخ ہوں جو دنیا کا بہترین درخت ہے میرے آبا و اجداد بزرگ ترین عرب ہیں۔ ہم کو ان پر فخر ہے۔ ہمارا حسب و نسب

بہترین حسب و نسب ہے۔

ہم ایسے درخت کی شاخ ہیں جو اُگنے بڑھنے والا ہے۔ جس کے پھل پاک و پاکیزہ ہیں جس کا تنہ قائم رہنے والا ہے جس کی جڑ اسلام اور علم نبوت ہے۔

ہم کو خدا نے بلند مرتبہ دیا ہے اور وہ ہمیں فخر کے لیے کافی ہے ہماری عزت کا دریا کبھی خشک نہیں ہوتا اور ہماری بزرگی کے پہاڑ کبھی پست نہیں ہوتے۔

ایک دن معاویہ نے امام حسنؑ کے سامنے فخر کیا کہ میں ایسے شخص کا بیٹا ہوں جو بڑا سخی تھا۔ اور قریش کا سردار تھا۔ امام حسنؑ نے فرمایا۔ میں فرزند ہوں۔ اُس شخص کا جو پرہیزگاری کا مرکز تھا۔ ہدایت کا مصدر تھا۔ فضل میں تمام دنیا کا سرکار تھا۔ حسب و نسب میں سب پر فائق تھا۔ میں ایسے شخص کا بیٹا ہوں جس کی اطاعت اللہ کی اطاعت اور جس کی معصیت اللہ کی معصیت تھی۔ کیوں معاویہ کیا تیرا باپ بھی میرا سا باپ تھا۔ جو تو میرے سامنے فخر کر رہا ہے۔ یہ سُن کر معاویہ دم بخود ہو گیا۔ (ارجح المطالب)

ایک دن معاویہ نے امام حسنؑ سے کہا میں آپ سے بہتر ہوں۔ فرمایا کیسے؟ اس نے کہا۔ میرے اوپر لوگوں نے اجماع کیا ہے اور آپ پر نہیں کیا ہے۔ فرمایا۔ سُن۔ تیرے اور اجماع کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں، ایک تیری اطاعت کرنے والے۔ دوسرے تیرے ظلم سے ڈرنے والے پس جو اطاعت کرنے والے ہیں وہ خدا کے گنہگار اور جو ظلم سے ڈر کر ایسا کر رہے ہیں، وہ مجبور ہیں۔ اور میں تو تیرے مقابل یہ کہنا بھی پسند نہیں کرتا۔ کہ میں تجھ سے بہتر ہوں کیونکہ تجھ میں بہتری ہے ہی کہاں۔

۱۶۔ امام حسنؑ کا مروان سے کلام

اے بنی ثقیف کے بھنگے آدمی تو، تو قریش سے بھی نہیں ہے جو ہمارے مقابل فخر کرے۔ افسوس کیا تجھے یہ خبر نہیں کہ میں بہترین بی بی کا جو سیدہ نساء عالمین کہلاتی تھیں۔ فرزند ہوں۔ ہم کو حضرت رسول خدا نے علم کی غذا دی۔ ہم تاویل قرآن کا علم عطا فرمایا۔ احکام الٰہی کی مشکلات کو سمجھایا۔ ہماری عزت سب عزتوں پر غالب ہے۔ ہمارے لیے مرتبہ کی بلندی اور بزرگی کی شان ہے۔ تو اس قوم میں سے ہے جس کو زمانۂ جاہلیت میں نسباً کوئی امتیاز حاصل نہ تھا۔ نہ اسلام میں اُن کا کوئی حق تھا۔ تو تو بھاگے ہوئے غلام کے مانند ہے۔ جسے کوئی فخر کرنے کا موقع ہی نہیں۔ خاص کر جہاں شیران اسلام کا ہمہمہ ہو

ہم قوم کے سردار ہیں۔ ہم قوم کے بہترین [illegible] کے رہنما ہیں۔ ہم ننگ وعار سے کوسوں دور رہنے والے ہیں۔ ہم شریف ونجیب لوگوں کی اولاد ہیں۔ ہم خیر الانبیاء کے بہترین وصی کی اولاد ہیں۔ وہ تیرے عجز سے بخوبی واقف تھے۔ اور تیری کمزوریوں کو خوب جانتے تھے۔ اگر تجھ کو اپنی طاقت اور دھوکہ بازی پر فخر ہے تو تیرے اوپر بہت افسوس ہے۔ تو گمراہوں کا پشت پناہ ہے۔ تجھے یہ خیال ہوگا۔ کہ میں صفین میں ہوتا تو بڑے کارہائے نمایاں کرتا۔

واللہ اگر تو علی کے سامنے پڑ جاتا تو معلوم ہو جاتا کہ موت کس طرح تجھے کھڑی آنکھیں دکھاتی ہے۔ تو بنی قیس کی بزرگی پر کیا فخر کرتا ہے جبکہ تیرا اس خاندان سے تعلق ہی نہیں۔ تو تو ایک بھاگا ہوا غلام ہے اور اپنے کو خواہ مخواہ بنی ثقیف کے قبیلہ میں شمار کر رہا ہے۔ تیرے نفس نے دھوکا کھایا ہے۔ تو اس قبیلہ کے مردوں میں سے نہیں ہے۔ تو شرک کی بیماری میں مبتلا ہے

بدکاریوں کا شکار ہے۔ تجھ کو فخر کا موقع کہاں حاصل۔ تو امیر المومنین کے مقابلہ کی تمنا کرتا ہے۔ چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے ابھی شیروں سے تیرا مقابلہ ہوا نہیں۔ ابھی علی کی تلوار کی چمک تو نے دیکھی نہیں ورنہ تجھے معلوم ہو جاتا کہ تو ایک ذلیل کیڑے سے زیادہ ہستی نہیں رکھتا۔ (بحار الانوار)

۱۷۔ امام حسنؑ کا خط معاویہ کے نام

یہ خط حسن بن علی کی طرف سے معاویہ بن ابی سفیان کے نام ہے سلام علیکم۔ بیں اس خدا کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اما بعد خدا نے اپنے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ کو تمام عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ اور مومنین پر ان کی وجہ سے احسان کیا۔ خدا نے ان کی مدت حیات کو اس خوبی سے پورا کیا۔ کہ کسی طرح کی کوئی کمی نہ رہی۔ خدا نے ان کی وجہ سے حق کو ظاہر کیا۔ شرک کو مٹایا اور قریش کو ان کی وجہ سے معزز بنایا۔

جب حضرت نے وفات پائی تو سلطنت بیں نزاع واقع ہوئی قریش کہتے تھے۔ ہم اس سلطنت کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ہم حضرت کے قبیلہ سے ہیں۔ کسی کو اس بارہ بیں ہم سے نزاع نہ کرنا چاہیے۔

عرب نے قریش کے اس قول کو مان لیا۔ اور زمام سلطنت ان کے ہاتھ بیں دینا تجویز کرلیا۔ اس کے بعد ہم نے بھی وہی حجت پیش کی جو قریش نے کی تھی یعنی ہم سب سے زیادہ حضرت کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ لیکن قریش نے ہمارے ساتھ وہ انصاف نہ کیا جو ان کے معاملہ بیں عرب نے کیا تھا وہ تو قرابت رسول کی وجہ سے مستحق سلطنت سمجھے گئے۔ لیکن ہم جو ذریت محمد ہیں۔ اسی دلیل سے اپنے حق کو نہ پا سکے ــــ کیا ہی انصاف ہے افسوس ہے کہ انھوں نے ہمارے حق کا قطعاً لحاظ نہ کیا

اور سب نے جمع ہو کر اپنا ایک حاکم بنا لیا۔ اور ہمارا حق غضب کر لیا۔ اس کا فیصلہ خدا کے یہاں ہوگا۔ ہم کو تو اس پر بڑا تعجب ہے کہ لوگوں نے ہمارے حق پر کیا کیا اُچک کر ہاتھ مارا ہے۔ اگر یہ لوگ صاحب فضیلت ہوتے اور سابق الاسلام کہلانے کی شرم کرتے تو اس بارہ میں ہم سے نزاع ہی نہ کرتے۔ اور ان لوگوں سے بھی زیادہ تعجب اے معاویہ تجھ پر ہے۔ تو تو کسی طرح اس کا اہل ہے ہی نہیں۔ اسلام میں تجھے کوئی خاص فضیلت حاصل نہیں تُو تو حرب کا بیٹا ہے۔ تو بازاری لوگوں میں سے تھا تو اس شخص کا فرزند ہے جو رسول اللہ کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ خدا ہی تجھ سے سمجھے گا۔ اور عنقریب تو دیکھے گا کہ تیرا کیا حشر ہوا۔ تجھے اپنی بدکرداری کی ضرور سزا ملے گی۔

(منقول از بحار الانوار)

۱۸۔ امام حسنؑ کا خط معاویہ کے نام جب لوگ آپ سے برگشتہ ہو گئے تھے

اب مجھے حق کے زندہ رہنے اور باطل کے مردہ ہونے سے مایوسی ہو گئی بصیرت اپنی حد کو پہونچ چکی۔ اب میں گوشہ نشین ہوتا ہوں۔ اور امر خلافت سے دست کشی کر کے اس کو تیرے لیے چھوڑے دیتا ہوں۔ اگرچہ یہ امر تیرے شر کو بڑھانے والا، اور تیرے انجام کو برباد کرنے والا ہے۔ لیکن میری کچھ شرطیں ہیں۔ اگر تو ان کو وفا کرنے پر تیار ہوا۔ اس کے بعد شرائط درج کیے، لیکن میں جانتا ہوں کہ تو غدر سے کام لے گا۔ لیکن یاد رکھنا تو ایسا کرنے پر نادم بہت ہوگا۔ اور پھر ندامت کوئی فائدہ نہ دے گی

(بحار الانوار)

۱۹۔ معاویہ کی موجودگی میں امام حسنؑ کا خطبہ

بعد حمد و صلوٰۃ

لوگو! معاویہ نے یہ گمان کیا ہے کہ میں اس کو خلافت کا اہل جانتا اور اپنے کو نااہل۔ معاویہ جھوٹا ہے۔ ہم کتاب خدا کی رُو سے اور رسولؐ کے اقوال کی بناء پر سب آدمیوں سے زیادہ بہتر ہیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں اگر سب لوگ مجھ سے بیعت کر لیتے اور میری اطاعت و نصرت پر آمادہ ہو جاتے تو میں ان کو آسمان و زمین کی برکتیں عطا فرماتا۔ یاد رکھو جب کوئی اُمت اپنے بہترین افراد کو چھوڑ کر رذیلوں کو اپنا حاکم بنا لیتی ہے تو اس کا نتیجہ اسی طرح ضلالت و گمراہی ہوتا ہے۔ جس طرح بنی اسرائیل نے ہارون کو چھوڑ کر گوسالہ پرستی شروع کر دی [illegible] حالانکہ وہ جانتے تھے۔ کہ ہارون خلیفۂ موسیٰ ہیں یہی حال امت محمدی کا ہوا کہ جان بوجھ کر انھوں نے علی کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ ان کے کانوں میں حضرت رسول خدا کی یہ آواز پڑ چکی تھی کہ اے علی تمھاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہارون کی منزلت موسیٰ کے نزدیک تھی۔ سوائے اس کے میرے بعد نبی نہ ہوگا۔

حضرت رسول خدا اپنی قوم سے دق ہو کر غار ثور میں چلے گئے۔ اگر لوگ حضرت کی مدد کرتے تو ایسا کیوں ہوتا۔ اسی طرح [illegible] میں بھی اپنے معین و مددگار پا لیتا تو اے معاویہ تجھ سے ہرگز صلح نہ کرتا۔ ا[illegible] کے واقعات ہمیشہ انبیا کو پیش آتے رہے اور میرے نانا اور با[illegible] پیش آئے پس ایسا کرنا سنت انبیا ہے جس کا لوگ اتباع کر[illegible] آرہے ہیں۔

لوگو! یوں جس کو تمھارا دل چاہے اپنا حاکم بنا لو۔ لیکن تم اگر چراغ لے کر بھی ڈھونڈو گے تو میرے اور میرے بھائیؑ کے سوا حضرت رسول خدا کے خاندان

میں دوسرا شخص اس کا اہل نظر نہ آئے گا۔

۲۰۔ امام حسنؑ کا خطبہ جناب امیرؑ کی شہادت کے بعد

ہم نے اول شام کے قتال سے روگردانی نہیں کی کہ ہم ان کے مقابل ذلیل ہو گئے تھے۔ یا ہماری فوج کم تھی۔ بلکہ ہم تو سلامتی اور صبر کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ پس سلامتی عداوت بن گئی اور صبر بے قراری میں تبدیل ہو گیا۔ تم جب ہمارے ساتھ تھے تو تمہارا دین تمہارے لیے امام دنیا تھا لیکن اب تم ایسی حالت میں ہو کہ دنیا تمہارے امام دین ہے۔ پہلے تم ہمارے تھے اور ہم تمہارے لیکن آج تم ہمارے مخالف ہو اور تمہارا یہ حال ہے کہ صفین کے مقتولوں پر رو رہے ہو اور نہروان کے مرنے والوں کا قصاص طلب کر رہے ہو، تم رونے والے بھی [illegible] ہو۔ اور قصاص طلب کرنے والے بھی۔

معاویہ تمہیں ایسے امر کی طرف [illegible] رہا ہے جس میں نہ عزت ہے نہ انصاف۔ اگر تم زندگی چاہتے ہو [illegible] کی طرف متوجہ ہو اور اگر موت [illegible] تو [illegible] دل چاہے [illegible] جاؤ [illegible] خدا ہمارے اور تمہارے درمیان حکم کرنے والا ہے۔ (بحار الانوار)

[illegible] دن کہ تو شام [illegible]

[illegible] گا۔ اور [illegible]